ہفت روزہ

48

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

20 تا 26 دسمبر 2011ء / 24 محرم تا یکم صفر المظفر 1433ھ

طاغوت کی تبدیلی نہیں، نفی کیجئے

اسلام کی نگاہ میں ہر طاغوت طاغوت ہے، عربی ہو یا غیر عربی، فارسی ہو یا رومی۔ پس اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس میں کوئی فرق نہ تھا کہ رومی طاغوت کو ہٹا کر عربی طاغوت کو اقتدار سونپ دیا جائے۔ فارسی طاغوت کو ناکام بنا کر عربی طاغوت کو کامیاب کر دیا جائے۔ طاغوت بہرحال طاغوت ہے، کسی رنگ کا ہو، کسی نسل سے ہو، اور اس کا چاہے کوئی بھی نام رکھ لیا جائے۔ پس ایک طاغوت سے اقتدار چھین کر دوسرے کے حوالہ کر دینے سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ زمین جب اللہ کی ہے تو خالص اللہ ہی کی ہونی چاہیے۔ اور اللہ کی ہو نہیں سکتی جب تک اس پر لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا جھنڈا نہ لہرائے۔ راہِ حق یہ نہیں کہ رومی و فارسی طاغوت کی جگہ کسی عربی طاغوت کو کھڑا کیا جائے۔ بلکہ راستہ یہ تھا کہ طاغوت کی یک سر نفی کر دی جائے اور ایک اللہ کی ربوبیت اور اُلوہیت قائم کی جائے۔ طاغوت ہونے میں عربی و غیر عربی برابر ہیں۔ ایک کو صرف عربی ہونے کی بناء پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ سب انسان ایک اللہ کے بندے ہیں اور یہ بندگی قائم و ظاہر نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسانیت پر لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا علَم نہ لہرایا جائے۔ اس کا معنی کیا ہے؟ یہ کہ حاکمیت فقط اللہ کی ہے۔ قانون کا منبع اللہ تعالیٰ ہے۔ شرع و قانون اسی کی طرف سے ہے۔ اللہ کے سوا کسی کا کسی پر کوئی اقتدار نہیں۔ اسلام انسان اور انسان میں اگر کسی اختلاف کا قائل ہے تو وہ صرف عقیدے کا اختلاف ہے۔ عقیدہ ہی ایک انسان اور دوسرے انسان میں فرق و امتیاز کرتا ہے اور عقیدے کی بنا پر عربی، رومی، فارسی تمام اجناس و انواع ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوتے یا ایک پلیٹ فارم کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کرتے ہیں۔ عقیدے کی جنسیت میں رنگ، نسل، قوم، جنس، اور نوع کا کوئی فرق نہیں۔ اس جنسیت میں عربی و غیر عربی، رومی اور فارسی و غیر ہم سب برابر ہیں۔

تفسیر فی ظلال القرآن

سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

16 دسمبر 1971ء سے 16 دسمبر 2011ء تک کا سفر

ہماری حالت زار

سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات

مساجد میں مترجم قرآنی نسخے اور ہماری ذمہ داری

ایمان اور انسانیت کے قاتل......

کرسمس کی حقیقت

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے......

گردنیں کاٹ بھی دو گے تو لہو بولے گا

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

سورۃ ھود

(آیات 1 تا 4)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴

’’ال ر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کردی گئی ہیں۔ (وہ یہ) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تم کو ڈر سنانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم کو ایک وقت مقرر تک متاعِ نیک سے بہرہ مند کرے گا اور صاحب بزرگی کو اس کی بزرگی (کی داد) دے گا اور اگر روگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ تم (سب) کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

سورۂ ہود سورۂ یونس کا جوڑا ہے۔ یہاں ترتیب سورۂ یونس کے برعکس ہے۔ اِس سورت کے کل 10 رکوع ہیں، جن میں سے 6 سے زائد انباء الرسل پر مشتمل ہیں، جس میں سب سے تفصیلی ذکر حضرت نوح علیہ السلام کا ہے اور آخر میں بہت ہی مختصر سا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آیا ہے۔ باقی جیسا کہ سورۂ اعراف میں ایک ایک رکوع، ایک ایک رسول کے لیے ہے، وہی ترتیب آپ یہاں دیکھیں گے۔

سورت کا آغاز حروف مقطعات ’’الٓرٰ‘‘ سے ہوا ہے۔ پھر قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل کی گئی ہے۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید میں جو سورتیں شروع شروع میں نازل ہوئیں، وہ چھوٹی چھوٹی لیکن بہت جامع ہیں۔ گویا چند الفاظ میں معانی کا ایک بحرِ بے کراں موجود ہے۔ جیسا کہ سورۃ العصر ہے کہ اس میں کل ہدایت موجود ہے۔ امام شافعیؒ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر قرآن میں صرف سورۃ العصر نازل ہوتی اور کچھ نازل نہ ہوتا تو بھی یہ ہدایت کے لیے کافی تھی۔ انہی کا قول ہے کہ اگر لوگ اس سورت پر تدبر اور غور کرلیں تو یہ ان کی ہدایت کے لیے کافی ہو جائے گی۔ تو گویا ابتدائی سورتیں اور آیتیں بڑی جامع، محکم اور مختصر ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر انہی کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

یہ کتاب کس پیغام کے ساتھ آئی ہے؟ یہ اس ہستی کی طرف سے ہے جو حکیم اور خبیر ہے۔ اور اس کا اولین پیغام یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ اور یہ بات دل میں بٹھالو کہ یقیناً نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جانب سے لوگوں کو خبردار کرنے والے اور بشارت دینے والے ہیں۔ آپؐ کے لیے ’’بشیر‘‘ اور ’’نذیر‘‘ کے الفاظ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر آئے ہیں۔

اور بندگی رب کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اپنے رب سے استغفار کرو، معافی چاہو، اور پھر اس کی جناب میں رجوع کرو، اس کی طرف بڑھو۔ وہ تمہیں دنیا کی زندگی میں بھی ساز و سامان دے گا اور ایک وقت معین تک اچھا فائدہ دے گا، اور ہر صاحب فضل کو اس کے حصہ کا فضل عطا کرے گا۔ یہاں ’’ذی فضل‘‘ سے مراد مستحق فضل ہے۔ اور اے نبی آپؐ انہیں یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر تم پھر جاؤ گے تو پھر مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا ایک عذاب آئے گا۔ ایک دن تمہیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

توکل کا ثمر

عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا)) (رواہ الترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اگر تم اللہ پر بھروسا کرو جیسا کہ بھروسا کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح رزق دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں۔‘‘

تشریح: جس طرح پرندے صبح کے وقت خالی پیٹ اِدھر اُدھر پرواز کرتے ہیں اور تگ و دو سے رزق کی تلاش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں رزق بہم پہنچاتا ہے اور وہ بوقت شام فرحاں و شاداں اپنے گھونسلوں کو لوٹتے ہیں، اِسی طرح مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر میدان اور ہر موڑ پر محنت و مشقت سے کام لیں مگر بھروسا اللہ تعالیٰ پر کریں تو ان کی کامیابی یقینی ہو جائے گی۔ امن کی حالت ہو یا جنگ کی کیفیت، صحت و سلامتی ہو یا مرض اور بیماری ان کا بھروسا صرف اور صرف خالق کائنات پر ہونا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

16 دسمبر 1971ء سے 16 دسمبر 2011ء تک کا سفر

آج سے ٹھیک 40 سال قبل پاکستان دولخت ہوا تھا۔ مشرقی پاکستان الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔ پاکستان کی یہ شکست و ریخت اس طرح ہوتی کہ آخری فوجی آخری گولی چلا کر تحفظِ وطن کا فریضہ ادا کرتا ہوا شہید ہو جاتا تب بھی شکست کا داغ ہمارے دامن پر لگتا، تب بھی رنج والم کی فضا ہوتی، تب بھی ماحول سوگوار ہوتا، دل صدمے سے دوچار ہوتے۔ لیکن ہزاروں فوجیوں کا اپنے ازلی دشمن کے سامنے سر جھکائے ہتھیار ڈالنا بدترین شکست کے ساتھ ساتھ بدترین ذلت و رسوائی بھی تھی۔ یہ فوجی عام فوجی نہیں تھے بلکہ اپنی مشقوں کے دوران اللہ کی کبریائی کا نعرہ لگانے والے تھے۔ یہ وہ فوج تھی جس کا ماٹو جہاد تھا۔ جنگ میں کسی کو فتح ہوتی ہے اور کوئی شکست سے دوچار ہوتا ہے۔ اِس کھیل میں بھی ہار جیت ہے۔ ایسا نہیں کہ مسلمان فوج کو کبھی شکست نہیں ہوئی۔ امت مسلمہ کی تاریخ اگرچہ بہادری اور فتوحات سے عبارت ہے لیکن بہت سے مواقع پر شکست بھی ہوئی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں اِسی ہندوستان میں شہاب الدین غوری کو تراڑوی کی جنگ میں شکست ہوئی۔ ٹیپو سلطان نے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا لیکن جیتے جی دشمن کے آگے سر نہیں جھکایا۔ شہاب الدین غوری نے جب تک شکست کا بدلہ نہ لیا بادشاہ ہونے کے باوجود زمین پر سویا اور دنیا کی تمام آسائشیں ترک کر دیں۔ لہٰذا مسئلہ محض شکست کا نہیں ذلت و رسوائی کو جان بچانے کی خاطر قبول کرنے کا ہے۔ دفاعی ماہرین کا دعویٰ ہے کہ نصف لاکھ کے قریب پاکستانی فوج جس کے پاس ابھی معقول تعداد میں ساز و سامان بھی تھا اگر کھلی جنگ سے پیچھے ہٹ کر بھارتی قابض افواج کے خلاف گوریلا وار شروع کر دیتی تو وہ بڑی آسانی سے مزید چھ ماہ تک بھارتی افواج کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ حصول مقصد اور فرض کی انجام دہی میں جان دے دینے والے کو کبھی دوش نہیں دیا جاتا۔ قابل مذمت بلکہ قابل نفرت رویہ یہ ہے کہ بہادری سے لڑتے ہوئے سر کٹوانے کی بجائے غیر کے آگے سر جھکا دیا جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جنہوں نے سر جھکانے سے انکار کیا اُن کو شکست ہو بھی جائے تو عارضی اور وقتی ہوتی ہے۔ وہ ایک میدان میں لڑائی ہارتے ہیں، مکمل جنگ میں شکست نہیں کھاتے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان طاقت کا عدم توازن ہے، لیکن وہ کبھی اتنا نہیں بڑھا کہ بلا مقابلہ میدان دشمن کے حوالے کر دیا جاتا۔ بہرحال پاکستان کو اپنے ازلی دشمن سے ذلت آمیز اور عبرت ناک شکست ہوئی۔ صد افسوس کہ ایسی رسوا کن شکست بھی سبق آموز ثابت نہ ہوئی۔ ہم نے اول تو تجزیہ ہی نہ کیا کہ شکست کیوں ہوئی۔ نصف لاکھ کے لگ بھگ فوج کو ہتھیار کیوں ڈالنے پڑے؟ اور جنہوں نے تجزیہ کیا بھی تو وہ بڑا سرسری اور سطحی تھا اور ایک ہی وجہ بیان کی گئی کہ مجیب الرحمٰن کو اقتدار منتقل نہ کرنے کی وجہ سے اور فوجی ٹولے کے اقتدار کی ہوس کی وجہ سے پاکستان دولخت ہوا۔ 1970ء کے انتخابات کے نتائج کو تسلیم نہ کرنے سے ہمیں یہ ذلت اُٹھانا پڑی۔ ہم اس بات کو اِس حد تک تو تسلیم کرتے ہیں کہ مجیب الرحمٰن کی انتخابات میں فتح کو تسلیم کرنے سے اور اقتدار اُس کے حوالے کر دینے سے پاکستان کی شکست و ریخت فوری طور پر نہ ہوتی۔ البتہ یہ چند ماہ یا ایک آدھ سال سے زیادہ مؤخر نہ ہوتی، بلکہ عین ممکن ہے کہ جن بین الاقوامی حالات کی وجہ سے اور امریکہ نے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر آگے بڑھ کر مغربی پاکستان کو مکمل تباہی سے بچایا تھا اور بھارت سوویت یونین کے دباؤ کی وجہ سے جنگ بند کرنے پر مجبور ہوا تھا، چند ماہ یا سال بعد وہ حالات نہ رہتے اور مغربی پاکستان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مجیب الرحمٰن اور فوج کی کسی صورت بن نہ آتی اور مغربی پاکستان کے عوام کو اپنے حکمران کی بھارت سے دوستی کی روش کبھی قبول نہ ہوتی، جس سے مجیب الرحمٰن اقتدار میں زیادہ دیر نہ رہ سکتا اور مجیب الرحمٰن کی اقتدار سے

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

20 تا 26 دسمبر 2011ء — جلد 20
24 محرم تا یکم صفر المظفر 1433ھ — شمارہ 48

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

رخصتی مشرقی پاکستان میں اس سے بڑا طوفان اُٹھاتی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوری اقدار پر عمل نہ کرنے سے اور انتخابی نتائج کو تسلیم نہ کرنے سے پاکستان شکست و ریخت سے دوچار ہوا غلط ہے۔ ایسی صورت میں صرف ٹائمنگ کا فرق واقع ہوتا۔ لیکن اپنی کج روی اور مفاد پرستی کا اندازہ کیجیے کہ جو ادھوری اور غلط تشخیص کی تھی اُس کے مطابق بھی علاج کرنے کی کوشش نہیں کی اور 1971ء کے بعد بھی جمہوریت پر دو مرتبہ شب خون مارا گیا، اور دونوں مرتبہ سیاسی اپوزیشن فوج کی پشت پر تھی۔

مشرقی پاکستان کیوں بنگلہ دیش بن گیا؟ ہمیں پوری دیانت داری سے اس کا جائزہ لینا ہوگا۔ اِس لیے کہ آج پھر پاکستان 40 سال پہلے جیسے حالات سے دوچار ہے، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آج اُس دور سے بھی زیادہ حالات دگرگوں ہیں۔ سندھ کارڈ کی آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ بلوچستان میں تو حالات قابو سے باہر ہو رہے ہیں اور آزاد بلوچستان کی تحریک اس نہج تک پہنچ چکی ہے کہ وہاں پاکستان کا نام لینا یا جھنڈا لہرانا جان داؤ پر لگانے والی بات ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے ہمیں تحریک پاکستان کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ ہمیں اجزائے پاکستان کے مجتمع ہونے اور اُس کی جغرافیائی ہیئت کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ مشرقی پاکستان تو ہندوستان کے بنگال کا ایک حصہ تھا۔ 1947ء میں جب پاکستان بنا تو بنگال کا مسلم اکثریت والا حصہ کاٹ کر مشرقی پاکستان بنا دیا گیا۔ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے پندرہ سو میل دور تھا۔ اُن کی زبان بنگالی تھی جو مغربی پاکستان میں قطعی طور پر سمجھی نہیں جاتی تھی۔ اُن کا لباس مغربی پاکستانیوں سے مکمل طور پر مختلف تھا۔ اُن کی خورد و نوش مغربی پاکستان والوں سے بالکل مختلف تھی۔ علاقائی ثقافت میں بھی ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔ گویا اُن کی ہر شے مختلف تھی۔ اور پاکستان دنیا کا واحد ملک تھا جس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے ہزاروں میل دور تھا۔ صرف اسلام واحد مشترکہ بنیاد تھی، جس نے تمام دوریوں کو رد کر کے اُنہیں ایک قوم ایک ملک کی شکل دی تھی، یعنی اسلام ایک واحد سیمنٹ تھا جس نے اِن دونوں کو جوڑ دیا۔ بدقسمتی سے سول اور فوجی حکمرانوں نے غیر ملکی قوتوں کو خوش کرنے کے لیے اور اپنے مفادات کے حصول اور اپنے اقتدار کو بیرونی سہارا دینے کے لیے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ گویا اِن دونوں کے درمیان سے سیمنٹ نکال کر اُنہیں الگ الگ کر دیا۔ کبھی پاکستانیت کا پرچار کر کے اور کبھی اردو زبان کو قومی زبان قرار دے کر مصنوعی طور پر جوڑ قائم رکھنے کی کوشش کی گئی، جو ظاہر ہے بُری طرح ناکام ہوئیں۔ آج پھر ملکی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ اِس لیے کہ ہم نے نہ 1971ء کی شکست و ریخت کی حقیقی وجہ سمجھی اور نہ ہی اسلام کے دامن کو تھامنے کی کوئی شعوری یا غیر شعوری کوشش کی۔ آج بھی ہم 1971ء کے انداز میں تباہی و بربادی سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اسباب ایک جیسے ہوں گے تو نتائج کیسے مختلف ہو سکتے ہیں؟ اِس مرتبہ تو ہم نے طالبانِ افغانستان کے مقابلے میں امریکہ کا اتحادی بن کر ایک کبیرہ گناہ کا مزید اضافہ کر لیا ہے۔ اگر 26 نومبر کے حادثہ نے سیاسی اور عسکری قیادت کی آنکھیں امریکہ کے حوالہ سے کھولی ہیں تو للّٰہ انہیں پوری طرح کھولیں، اپنی تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی کی حقیقی وجوہات جاننے کی کوشش کریں۔ امریکہ سے ناطہ توڑ کر اللہ سے رشتہ جوڑیں۔ طالبانِ افغانستان نے امریکہ جیسی قوت کو ناکوں چنے چبوائے ہیں تو صرف اِس وجہ سے کہ اُنہیں اللہ کی مدد حاصل تھی، وگرنہ کہاں سپریم پاور آف دی ورلڈ اور کہاں دنیا کے پسماندہ اور غریب ترین ملک کے چند ہزار بے سروسامان افراد! ہم بھی اِن حالات سے سرخرو ہو کر اور کامیاب و کامران ہو کر نکل سکتے ہیں۔ ہم نے 16 دسمبر 1971ء کے بعد بھی اپنا رخ تبدیل نہیں کیا اور غلط سمت تیزی سے سفر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمیں صراطِ مستقیم کی طرف باگیں موڑنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اللہ اور رسولؐ کے پسندیدہ دین اسلام کو اوڑھنا بچھونا بنانے کی ضرورت ہے۔ اپنی زندگی سے غیر شرعی اعمال نکال دینے کی اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر دین کے نفاذ کی اور پھر اللہ پر توکل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم موجود اور آنکھوں سے نظر آنے والی اشیاء کے حقیقت ہونے سے زیادہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اگر ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر حقیقی مسلمان اور مومن بن جائیں تو ایک امریکہ کیا کُل دنیا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ان شاء اللہ! آزمائش شرط ہے۔

نئی پاک امریکہ خارجہ پالیسی

☆ کیا میموگیٹ سکینڈل کا پاکستانی چوکی پر امریکی حملے سے کوئی تعلق ہے؟
☆ کیا شمسی ایئر بیس خالی کروانے، بون کانفرنس میں شرکت نہ کرنے اور نیٹو کی سپلائی روکنے سے پاکستانی Sovereignty محفوظ ہو گئی ہے؟
☆ کیا سفیروں اور ہائی کمشنرز کی کانفرنس کے بعد پاک امریکہ خارجہ پالیسی میں کوئی تبدیلی متوقع ہے؟
☆ کیا تحریک طالبان پاکستان اور ہماری حکومت کے درمیان مذاکرات جاری ہیں؟
☆ کیا نیٹو سپلائی کی بندش نئے ٹیکسز لاگو کرنے کے لیے ہے؟
☆ پاک امریکہ تعلقات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے کیا صدر زرداری ملک سے باہر رہ کر اس بات کا جائزہ لے رہے ہیں؟
☆ امریکہ کے ساتھ باوقار خارجہ پالیسی کے چیدہ چیدہ نکات کیا ہونے چاہئیں؟

ان سوالات کے جواب تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ
www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھیے

تجزیہ نگار: ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)
میزبان: وسیم احمد

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء و تجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش: شعبہ سمع و بصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

”سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات“

قرآن حکیم میں سود کی حرمت و شناعت اور سودی سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اُٹھنے والی حالیہ تحریک کے حوالے سے

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 28 اکتوبر 2011ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ البقرۃ کے 38 ویں رکوع کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! میں نے آپ کے سامنے سورۃ البقرہ کے 38 ویں رکوع کی تلاوت کی ہے۔ اس رکوع میں بڑے واضح انداز میں حرمت سود کے متعلق آخری احکامات آئے ہیں اور سخت ترین الفاظ میں سود کی مذمت کی گئی، اور اُس کی شناعت کو بیان کیا گیا ہے۔ آج ہم اِسی کا مطالعہ کریں گے، ان شاء اللہ

رکوع کا آغاز ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً﴾

”جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔“

یہاں خطاب اہل ایمان سے ہے۔ اُن کا ایک اہم وصف یہ بتایا کہ وہ اللہ کی راہ میں دن رات مال خرچ کرتے ہیں۔ یہ خرچ کرنا خفیہ بھی ہوتا ہے اور ظاہراً بھی۔ مال ہمیں اللہ نے عطا کیا ہے۔ اس میں ہماری معیشت کا سامان بھی ہے اور یہ بہت بڑا ذریعہ آزمائش بھی ہے۔ اس لیے کہ اس کی محبت انسان کی طبیعت کا حصہ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔

مال کے تعلق سے لوگوں میں دو قسم کا طرز عمل پایا جاتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ مال ہمارا اپنا نہیں، یہ اللہ کی عطا ہے۔ لہٰذا ہمارے پاس جو زاید از ضرورت مال ہے، اُسے دوسروں کی ضروریات پوری کرنے اور اُن کی مشکلات رفع کرنے میں خرچ کر دینا چاہیے۔ مال و دولت کے حوالے سے یہ اعلیٰ ترین کردار ہے جو اللہ کو بے حد پسند ہے۔ اقبال نے کہا تھا ؎

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ تھی اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

دوسرا کردار سرمایہ دارانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ یعنی اپنی ضروریات پر تو بے تحاشہ خرچ کیا جائے۔ لباس، خوراک اور رہائش پر اسراف و تبذیر کے مظاہرے ہوں، لیکن آدمی دوسروں پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنا گوارا نہ کرے۔ یہ خیال کرے کہ میں اپنے زاید سرمائے سے اور سرمایہ کماؤں۔ یہ میرا مال ہے، میں نے اپنی محنت سے کمایا ہے۔ اپنی ہنرمندی، اپنی صلاحیتوں اور اپنی پلاننگ سے حاصل کیا ہے، اس میں دوسروں کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ میں اُن پر کیوں خرچ کروں۔ اگر کوئی غریب ہے تو جائے بھاڑ میں۔ اُس نے محنت نہیں کی، اپنی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کیا، اس لیے چاہے جوتیاں چٹخارتا پھرے، فاقے کرے اور غربت کی وجہ سے خودکشیاں کرے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میرے پاس جو اضافی مال ہے میں اس سے اور زیادہ مال بناؤں گا۔ میں اسے کاروبار میں لگا کر خطرہ مول نہیں لوں گا، بلکہ اس طور سے مال کماؤں گا کہ میرا یہ مال کم نہ ہو۔ (یعنی فکس ڈیپازٹ وغیرہ کے ذریعے سرمائے سے سرمایہ کماؤں گا) اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ یہاں سود کی حرمت اور قباحت بیان کرنے سے پہلے اللہ نے مال کے تعلق سے سچے اہل ایمان کا طرزِ عمل بتا دیا کہ وہ علانیہ اور مخفی دونوں طریقوں سے راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ

﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾﴾

”ان کا صلہ پروردگار کے پاس ہے اور ان کو (قیامت کی دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔“

یہ لوگ مطمئن رہیں، اُن کے اس طرزِ عمل پر انہیں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں بھی بہت زیادہ اجر عطا فرمائیں گے، اور دنیا میں بھی انہیں خوف و حزن سے آزاد کریں گے۔ ظاہر ہے، جو شخص اپنا زائد از ضرورت مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اس کا کُل توکل اور بھروسا اللہ پر ہوتا ہے، اسے کل کی روزی کی فکر نہیں ہوتی کہ جس اللہ نے آج رزق دیا ہے، وہی کل بھی عطا فرمائے گا۔ نبی کریم ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ جو کچھ بھی آتا تھا، رات ہونے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے فقر کی زندگی بسر کی لیکن آپؐ کا یہ فقر اختیاری تھا۔ دراصل جب آدمی اللہ کا وفادار ہو اور اسے یہ یقین ہو کہ اللہ مجھ سے بڑھ کر میرا خیر خواہ ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خوف و حزن سے رستگاری دے دیتا ہے۔ اب آگے دوسری قسم یعنی سرمایہ دارانہ سود خور ذہنیت کا ذکر آ رہا ہے۔ فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ﴾

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح

(حواس باختہ) اُٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنادیا ہو۔"

روزِ قیامت سود خور بدحواسی کی کیفیت میں ہوں گے۔ وہ اس دن قبروں سے یوں اُٹھیں گے گویا انہیں شیطان نے چھو کر حواس باختہ کردیا ہو۔ یہ تو قیامت کا نقشہ ہے۔ لیکن اگر آج سٹاک مارکیٹ میں جا کر دیکھا جائے تو سودخوروں کی یہی صورت نظر آتی ہے۔ ان پر بدحواسی طاری ہوتی ہے، جیسے کسی آسیب نے سایہ کر رکھا ہو۔

آگے سودخوروں کی غلط ذہنیت کا بیان ہے۔ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾

"یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت (نفع کے لحاظ سے) ویسی ہی ہے جیسے سود (لینا)۔"

سود خور سود خوری کے اپنے گھناؤنے جرم کا جواز یہ تراشتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے۔ دونوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص تاجر ہے۔ وہ ایک جگہ سے کم قیمت پر مال لا کر دوسری جگہ زیادہ قیمت پر فروخت کردیتا ہے، تو وہ نفع کماتا ہے۔ ایک اور شخص اپنا مال کچھ عرصے کے لیے دوسرے کو قرض دیتا ہے اور اس سے یہ طے کرتا ہے کہ تم نے مجھے اصل قرض سے زاید رقم لوٹانی ہے، اتنے فیصد روپیہ فاضل دینا ہے تو یہ بھی اُس کا نفع کمانا ہے۔ لہٰذا تجارت اور سود میں کوئی فرق نہ ہوا۔ عام آدمی کو یہ بات بہت بڑی اپیل کرتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو قرض دے کر دو چار روپیہ زیادہ لے لیے تو اِس سے کون سی قیامت آجائے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی عقل ناقص ہے۔ سود کے مضمرات کو ہم نہیں جانتے، انہیں اللہ جانتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب لوگوں کو سودی معیشت کے جو تلخ تجربات ہوئے ہیں، اُن سے دنیا بھی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ساری خرابی اور فساد کی جڑ کی بنیاد سود ہے۔ جس معاشرے میں سود کی شرح زیادہ ہوگی وہاں افراطِ زر، بے روزگاری اور مہنگائی ہوگی۔ چوری، ڈکیتی اور کرپشن عام ہوگی۔ قتل ہوں گے اور محروم لوگ سرمایہ داروں کے پیٹ پھاڑیں گے۔ الغرض جرائم کی کثرت سے معاشرہ سنڈاس بن جائے گا۔

آگے سود خور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی نفی کرتے ہوئے سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ سنادیا۔ فرمایا:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾

"حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

اللہ نے واضح فرمادیا کہ تجارت تو حلال ہے جبکہ سود حرام ہے۔ لہٰذا سود کے بارے میں تم میں کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے، کہ اس کا جواز گھڑو۔ ہاں غور و فکر ہو تو اس بات پر ہو کہ حرمت سود میں کیا حکمتیں ہیں۔ اِس سے یہ حکمتیں اللہ تم پر کھولتا چلا جائے گا۔

آگے فرمایا:

﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾

"تو جس کے پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ خدا کے سپرد۔"

یعنی وہ شخص جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آجانے کے بعد سود سے باز آگیا، توبہ تائب ہوجانے کے بعد اُسے اپنے ماضی کے سودی معاملے پر فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر اُس نے سچی توبہ کی ہے اور توبہ کے تقاضے پورے کیے تو اب وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہے۔ لیکن آگے یہ تنبیہ فرمادی کہ اگر دوبارہ سودی معاملے میں ملوث ہوئے تو اس کا انجام جہنم کی آگ ہوگی۔

﴿وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾﴾

"اور جو پھر لینے لگے گا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔"

سود خور یہ سمجھتے ہیں کہ سود لینے سے ان کا مال بڑھ جائے گا اور اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے تو اس سے مال میں کمی واقع ہوگی۔ اگلی آیت میں اللہ نے اس ذہنیت کی اصلاح کے لیے فرمایا:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾﴾

"اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔"

سود کا مقدر ہی مٹنا ہے۔ اسے نیست و نابود ہونا ہے۔ اس کے برعکس صدقہ میں اللہ نے برکتیں رکھی۔ اللہ اسے پروان چڑھاتا ہے۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے، جسے عام آدمی شاید سمجھ نہ سکے۔ بظاہر تو سودی کاروبار سے مال کا پھیلاؤ ہوتا ہے، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اس میں کمی آتی ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے سود سے مال کم ہوتا ہے۔ اس میں برکت نہیں رہتی اور اصل مال بھی ضائع ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ جو لوگ حرمت سود کا ادراک رکھنے کے باوجود دنیاوی لالچ میں آکر سود پر قرض لے بیٹھے ہیں۔ دنیا میں بھی بدترین انجام کو پہنچتے ہیں۔ کاروبار بڑھانے کے لیے سود پر قرض لیا تھا لیکن اس کے بعد نوبت یہاں تک آگئی کہ مقروض ہوتے چلے گئے تو ہر چیز سے محروم ہوگئے۔ سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا۔ اصل مال بھی ضائع ہوگیا اور سود ادا کرنے کے بھی قابل نہیں رہے۔ اور پھر ہر وقت ڈرنے لگے کہ کسی وقت جیل بھیج دیا جائے گا۔ افراد کی سطح پر ایسی کئی مثالیں میرے سامنے ہیں کہ سودی معاملے نے لوگوں کو تباہی سے دوچار کردیا۔ لیکن اب یہ بات عالمی سطح پر بھی ثابت ہوگئی ہے کہ سودی نظام کا انجام خوفناک تباہی ہے۔ امریکہ میں آج جو معاشی بحران آیا ہے اس کی اصل وجہ سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ حدیث کے مطابق سود کا مال کتنا ہی بڑھ جائے اس کا انجام افلاس ہے۔ حرام مال جتنا زیادہ آتا ہے اتنا ہی زیادہ خرچ بھی ہوجاتا ہے۔ سو قسم کے مسائل اور پریشانیاں آگھیرتی ہیں جن پر پیسہ خرچ ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ کے بھروسے حلال پر اکتفا کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کو گھٹا دیتا ہے اور اس کے مسائل کو کم کردیتا ہے۔ وہ قناعت کی بدولت کم آمدنی میں بھی بڑے سکون سے گزارا کر رہا ہوتا ہے۔ جتنا کسی امیر زادے کا ماہانہ جیب خرچ ہوتا ہے، اتنے میں وہ اپنے پورے خاندان کو پال رہا ہوتا ہے۔

آگے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾﴾

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔"

اللہ نے واضح فرمادیا کہ میرے وہ بندے جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کیا، نماز کی پابندی کی، زکوٰۃ کا اہتمام کیا، ان کے لیے اجر عظیم ہے، اور وہ ہر طرح کے خوف و حزن سے بے نیاز ہوں گے۔ یہاں ایمان، عمل صالح اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر ہوا ہے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ زکوٰۃ کا لفظ تزکیہ سے ہے، یعنی اپنے آپ کو پاک کرنا۔ اللہ کی راہ میں مال دینے سے نفس کے اندر پاکیزگی آتی ہے۔ نفس کے اندر جو غلاظتیں ہیں، جیسے دنیا پرستی، حسد، لالچ، طمع، بخل، انتقام وغیرہ، زکوٰۃ سے یہ صاف ہوجاتی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ زکوٰۃ ایک تو قانونی اعتبار سے ہے کہ صاحب نصاب اڑھائی فیصد سالانہ ادا کرے۔ لیکن

دوسرا اس کا اخلاقی و روحانی پہلو ہے کہ آدمی مستقل طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے۔ یعنی کثرت سے صدقات کا اہتمام کرے۔ وہ لوگ جو زکوٰۃ پر عمل پیرا رہتے ہیں، اللہ کے ہاں ان کا اجر محفوظ ہے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کی راہ میں دینے سے کوئی نقصان کر بیٹھے۔ اللہ ان کے مال میں اس طور سے برکت پیدا فرما دے گا جو اُن کے گمان میں بھی نہ ہوگا۔

آگے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾﴾

''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو۔''

اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جو کچھ سود میں سے رہ گیا اس کو چھوڑ دو۔ یعنی کسی کو سود پر رقم دی تھی، ابھی سود کی کچھ رقم باقی رہ گئی ہے، تو اُسے چھوڑ دو۔ یہ نہ کہو کہ ہمارا پرانا معاملہ چل رہا ہے، اسے پورا کر لوں، آگے سود چھوڑ دوں گا۔ نہیں، بلکہ اگر تم واقعی مومن ہو تو سود کو ترک کر دو۔ آگے نہایت سخت انداز میں تنبیہ فرمائی کہ

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾﴾

''اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود کو چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کو نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔''

اگر تم سود کو نہیں چھوڑتے تو پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ یہ بہت سخت الفاظ ہیں۔ اتنے سخت الفاظ قرآن حکیم میں کسی اور گناہ کے لیے نہیں آئے۔ ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ اگر تم توبہ کر لو تو راس المال تمہارا حق ہے۔ وہ تم لے سکتے ہو۔ اس ضمن میں نہ تم کسی پر زیادتی کرو اور نہ کوئی تم پر زیادتی کرے۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾﴾

''اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زر قرض) بخش ہی دو تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔''

یعنی جسے تم نے قرض دیا تھا اگر اُس سے تم یہ کہتے ہو کہ حرمت سود کا حکم میرے سامنے آ گیا، میں تم سے کوئی سود نہیں لیتا، لیکن میری اصل رقم فی الفور واپس کر دو، تو اِس سختی اور اس عجلت پسندی سے بھی تمہیں احتراز کرنا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اگر مقروض تنگ دست ہے تو اُسے مہلت دو۔ اور اگر قرض کی رقم صدقہ ہی کر دو تو یہ تمہارے لیے اور بھی بہتر ہے۔ آخر تم نے جو رقم قرض کے طور پر دی تھی، وہ تمہارے پاس اضافی ہی تو تھی۔ اگر اسے معاف کر دو گے تو اللہ کی نگاہ میں اس عمل کا بہت بڑا اجر پاؤ گے۔

پیچھے بھی تقویٰ کا حکم دیا تھا، اب آگے پھر اُخروی محاسبے سے ڈرنے کی تاکید کی جا رہی ہے۔ فرمایا:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾﴾

''اور اس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔''

اہل ایمان کی اصل پونجی تقویٰ اور فکر آخرت ہے۔ لہٰذا اللہ کے تقویٰ کی تاکید کرنے کے بعد فرمایا کہ اس دن سے ڈرو جس دن اللہ کے ہاں پیشی ہوگی اور ہر شخص کو اس کی کمائی پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ اگر تمہارے اندر تقویٰ ہوگا تو پھر ہی تم احکام الٰہی بجا لاؤ گے۔ سود سے بھی اپنا دامن بچا سکو گے۔

سورۃ البقرہ کی اِن آیات میں سود کی حرمت، شناعت اور ہلاکت خیزی کا بیان اور مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ بتایا گیا۔ اس لیے کہ سود معاشی میدان کی سب سے بڑی خرابی اور ظلم و فساد کی جڑ ہے۔

علامہ محمد اقبال نے کہا تھا ؎

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات

موجودہ بینکاری نظام عیار یہودی ذہن کی اختراع ہے۔ جس نے سینۂ آدم کو نورِ حق سے محروم کر دیا ہے۔ اقبال نے کہا تھا ؎

ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود
نور حق از سینہ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

حال ہی میں امریکہ میں ''وال سٹریٹ پر قبضہ کرو'' کے عنوان سے جو تحریک اُٹھی اور پھر دنیا بھر میں پھیل گئی، یہ دراصل سود پر مبنی سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کے خلاف پسے عوام کا احتجاج ہے۔ تحریک کے بنیادی مقاصد میں سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ شامل ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کے پاس کوئی متبادل نظام نہیں، لہٰذا یہی کہا جا رہا ہے کہ بنکاری نظام کو صحیح راستے پر لایا جائے۔ وہ لوگ اس حقیقت کا ادراک کر چکے ہیں کہ ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام اور بنکاری سسٹم کی وجہ سے عوام الناس کا خون نچوڑا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کی ضروریات کا سارا سامان رکھ دیا ہے۔ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ وسائل سے فائدہ اُٹھائے۔ اپنی بنیادی ضروریات، خوراک، لباس اور رہائش کا انتظام کرے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے سرمایہ دار اپنے سرمائے کے بل بوتے پر سارے وسائل پر قابض ہو جاتا ہے، اور باقی نوع انسانی وسائل سے محروم ہو کر سسکتی پھرتی ہے۔ انسانیت مترفین اور محرومین کے طبقات میں بٹ جاتی ہے۔ اگرچہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ سماجی زندگی کی طرح معاشی میدان میں بھی کامل مساوات ہو، جیسا کہ اشتراکیت کا نعرہ ہے۔ اس لیے کہ یہ عملاً ممکن ہی نہیں۔ انسانوں کی آزمائش و امتحان کے لیے اللہ نے کسی کو کم دیا اور کسی کو زیادہ دیا۔ کسی کو غریب کی جھونپڑی میں پیدا کر دیا اور کسی کو سرمایہ دار کے عشرت کدے میں، تاکہ اللہ دیکھے کہ وہ کیا روش اختیار کرتے ہیں۔ اسلام اسباب معاش اور وسائل پر کسی ایک طبقہ کی اجارہ داری کسی طور سے گوارا نہیں کرتا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ ایسا سسٹم بنایا جائے جس میں سب لوگ وسائل سے فائدہ اُٹھائیں۔ ہر شخص کو اُس کا جائز حق ملے۔ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ ہو، جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:7)

''یوں نہ ہو کہ دولت تمہارے سرمایہ داروں کے درمیان ہی گردش کرتی رہے۔'' سرمایہ دار محض مال سے مال حاصل نہ کرے بلکہ سرمایہ کاری کرے، تاکہ اُس کی دولت کے ثمرات پسے ہوئے طبقات تک بھی پہنچیں۔ چنانچہ اسلام نے محض مال کے ذریعے مال کے حصول کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ چنانچہ سود، جوئے اور قمار سے منع کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اِس کا اثر عام آدمی پر پڑتا ہے۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہمارے ہاں ایک کسان اپنی سبزی کو منڈی تک لاتا ہے تو کھیت سے منڈی تک پہنچنے میں درمیان میں کئی ایجنٹ آ جاتے ہیں اور اس طرح کسان کی محنت کا پھل سرمایہ دار کھا جاتا ہے۔

سرمایہ داری نظام سرمائے کو تحفظ دیتا ہے، اسے محنت سے کوئی سروکار نہیں۔ اس نے سرمائے کے تحفظ کے لیے نت نئے طریقے ایجاد کیے ہیں۔ اس کے پیشِ نظر صرف یہ بات ہے کہ سرمایہ فروغ پائے، اس کو نقصان نہ ہو اور یہ سرمایہ غریبوں تک نہ پہنچے۔ سرمائے کو تحفظ دینے کے لیے انشورنس کمپنیاں کروڑوں روپے کی انشورنس کر لیتی ہیں۔ چنانچہ سرمایہ دار کا کارخانہ بھی جل جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا اس کا بجٹ تو عام صارف پر پڑتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے فروغ میں اہم ترین شے سود ہے۔ سود اس نظام کا ستون ہے، جس پر یہ پورا نظام کھڑا ہے۔ وال سٹریٹ پر قبضہ تحریک اس بات پر احتجاج کر رہی ہے کہ امریکہ میں بنک اور سرمایہ دار ملٹی نیشنل کمپنیاں عام آدمی اور چھوٹے تاجروں کے وسائل ہڑپ کر رہی ہیں اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ عالمی دجالی قوتیں W.T.O کے ذریعے تمام معاشی وسائل پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جو سرمائے کو تحفظ دیں، ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مفادات کی نگہبانی کریں۔ چنانچہ اب لوگوں کو سمجھ آنے لگی ہے کہ سودی بینکاری نظام اور ملٹی نیشنل کمپنیاں اُن کے ساتھ کیا واردات کر رہی ہیں۔ سرمایہ دار اور ملٹی نیشنل کمپنیاں امریکہ کی دونوں جانب کی سیاست کو کنٹرول کرتی ہیں۔ جمہوری نظام کو انہوں نے جس انداز سے تشکیل دیا ہے، وہ سارا اُن کے کنٹرول میں ہے۔ بظاہر تو انتخابات کے ذریعے اظہار رائے کا موقع دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں حکومت کی تشکیل انہی سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ سرمایہ دار سیاسی اور معاشی محاذ کے علاوہ میڈیا میں اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے حقائق کو اپنے مفاد کے مطابق موڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جمہوریت سرمایہ دار کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ یہ سرمایہ داری نظام کو سپورٹ کرتی ہے اور سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت کو۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

یہ گورکھ دھندہ ہے جو سرمایہ داروں نے بنا رکھا ہے۔ بہرکیف سود پر مبنی مہلک نظام اپنے آخری انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ بقول اقبال ؎

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے، بنا دیا ہے قمار خانہ!

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

توجہ طلب

مساجد میں مترجم قرآنی نسخے اور ہماری ذمہ داری

حافظ محمد مشتاق ربانی

مساجد صرف نماز پڑھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ تعلیم وتربیت کے لیے بہترین مراکز کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔ مساجد کی یہ حیثیت ہمارے سامنے رہنی چاہیے، اور اس حوالے سے مساجد میں تعلیم کی غرض سے سب سے زیادہ جس بات کا اہتمام ہونا چاہیے وہ قرآن وسنت کی تفہیم ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ مساجد میں صرف انفرادی طور پر تھوڑی دیر کے لیے معمول کی تلاوت کرتے ہیں یا پھر مخصوص سورتوں کو بطور وظیفہ پڑھتے ہیں حالانکہ اس کے نزول کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس سے ہدایت حاصل کی جائے۔ اقبال اسرار خودی میں فرماتے ہیں:

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب

(یعنی اس کتاب کا تم پر حق ہے کہ تم اس کی تلاوت کرو، (اسے سمجھو) پھر اس سے تم جس مقصد میں بھی چاہو گے کامیابی ملے گی۔)

قرآن حکیم سے ہدایت حاصل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ لوگ اِسے سمجھتے نہیں ہیں، کیونکہ عربی زبان سے عدم واقفیت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ دیں، عربی ادب اور اسلوب انشاء سے واقف ہوں لیکن سب لوگ عربی زبان سیکھنے سے بھی عاجز ہیں، کیونکہ بعض لوگ کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور ان کے لیے ایک نئی زبان سیکھنا نہایت دشوار عمل ہو سکتا ہے۔ یہ مسئلہ کسی قدر اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ وہ مترجم قرآن سے راہ نمائی حاصل کریں، اس لیے کہ اصل مقصود قرآن حکیم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اس کا ایک لازمی تقاضا ہے کہ ہماری مساجد میں مترجم قرآن کے نسخے ہوں، تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ مساجد میں مترجم قرآن بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر و بیشتر بغیر ترجمہ والے قرآن ہی ملتے ہیں۔ اگر کسی مسجد میں دو چار نسخے مترجم قرآن کے مل بھی جائیں تو ان کا ترجمہ معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ اب تو ایسے لوگوں کے تراجم بھی آپ کو ملیں گے جنہیں عربی زبان کے بنیادی قواعد کا بھی علم نہیں ہے بلکہ شاید انھیں قرآن مجید صحیح پڑھنا بھی نہ آتا ہو۔ راقم دو تین ایسے افراد کو جانتا ہے جو صحیح تلاوت نہیں کر سکتے لیکن ان کے تراجم مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ ان کے ترجمۂ قرآن میں کیسی کیسی غلطیاں پائی جاتی ہوں گی، اور ایسے لوگوں کے تراجم کا مساجد میں موجود ہونا لوگوں کی کس قسم کی راہ نمائی کا باعث بنے گا۔ اقبال ارمغان حجاز میں کہتے ہیں:

زمن بر صوفی و ملّا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را!

(یعنی غلط کار صوفیاء اور ملّا کے تراجم وتفاسیر نے اللہ تعالیٰ، جبریلؑ اور مصطفیٰ ﷺ کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ترجمہ تو میں نے آسمان سے نازل ہی نہیں کیا، جبرئیل امین کہتے ہیں: قرآن کا یہ مطلب تو میں اللہ تعالیٰ کی جناب سے نہیں لے کر آیا اور حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں: قرآن کی یہ تشریح تو میں نے امت کو نہیں بتائی۔) اقبال تصدیر درد میں کہتے ہیں ؎

زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے!

اس سلسلے میں راقم اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ میں لاہور کی سبزہ زار سکیم کے L (ایل) بلاک کی مسجد باب محمد ﷺ کا چند سال پہلے امام وخطیب رہا۔ میں نے ایک دن دیکھا کہ مسجد میں نیا آمدہ مترجم قرآن موجود ہے۔

مجھے دلچسپی ہوئی کہ دیکھوں یہ کس کا ترجمہ قرآن ہے۔ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ مترجم کون ہے۔ ورق گردانی کرتے ہوئے ﴿وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب:40) کا ترجمہ نظر سے گزرا تو تب معلوم ہوا کہ یہ قادیانیوں کا ترجمہ قرآن ہے۔ میں نے فوراً اس کو مسجد سے اُٹھوالیا، تاکہ لوگ اس کو پڑھ کر گمراہ نہ ہوں۔ یہ مترجم قرآن مسجد میں رکھنے کی یہ حرکت اگر کسی قادیانی نے کی ہے تو مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے اور مسلمانوں کو چوکنا رہنا چاہیے۔ لیکن اگر یہ کام کسی مسلمان نے لاعلمی میں کیا ہے، اسے پتہ نہیں تھا کہ یہ کس کا ترجمہ قرآن ہے تو اسے مسلمانوں کی سادگی اور جہالت کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ ائمہ وخطباء کو چاہیے کہ وہ اس جانب توجہ دیں۔ لوگوں کو مترجم قرآن سے استفادہ کی طرف راغب کریں۔ اپنی مساجد میں مترجم قرآن رکھوائیں اور ایسے تراجم رکھوانے کا انتظام کریں جس پر عمومی طور پر اتفاق پایا جاتا ہے، جیسے شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، فتح محمد جالندھریؒ، محمد جونا گڑھیؒ، مولانا مودودیؒ، حافظ نذر احمد مرحوم کے تراجم وغیرہ ہیں۔ بعض مترجم قرآن ایسے بھی دستیاب ہیں جن میں ترجمہ رنگوں کی مدد سے سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید شبیر احمد کا ترجمہ خاصا مقبول ہے۔ اسے بھی مساجد کی زینت ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے زیادہ تر اُس قرآن سے ترجمہ سیکھنے کی کوشش کریں جو عربی متن کے قریب تر ہو۔

یہاں ایک مشکل دکھائی دیتی ہے کہ بعض آیات ایسی ہیں کہ آیت کے ہر لفظ کا اگر ترجمہ یاد بھی کرلیا جائے، تو بھی اس کے مفہوم کو فوراً سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ائمہ وخطباء کی ذمہ داری ہے کہ جو لوگ ترجمۂ قرآن پڑھ رہے ہوں، انھیں اگر کسی آیت کی تفہیم میں دشواری پیش آرہی ہو تو وہ انھیں سمجھائیں۔ یہ کام اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ قرآن حکیم کو ترجمہ کی مدد سے سمجھنے والے حضرات کو معلوم ہو کہ کسی جگہ مشکل کی صورت ہم موجود مولانا صاحب سے راہ نمائی لے سکتے ہیں۔ اور مولانا صاحب میں بھی اتنی قابلیت ہو کہ وہ کسی آیت کا درست مفہوم بتاسکیں، کیونکہ استاد کی ضرورت ناگزیر ہے۔ فہم القرآن کے لیے استاد کی ضرورت کے حوالے سے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: ''استاد کی ضرورت تو چھوٹے سے چھوٹے علم اور سہل فن میں بھی تقریباً ناگزیر ہی ہے۔ پھر قرآن کا علم تو بڑا مہتم بالشان علم ہے۔ اس میں کوئی طالب علم استاد سے بے نیاز کیسے رہ سکتا ہے۔ کوئی زندہ استاد اگر کامل الفن (یعنی اپنے فن پر دسترس رکھنے والا) نہ ملے تو اس کی قائم مقام اکابر مفسرین اور محقق شارحین کی کتابیں ہوسکتی ہیں۔''

بعض مختصر تفاسیر بھی میسر ہیں جنھیں مساجد میں رکھنا چاہیے۔ ان سے ہم فیض یاب ہوسکتے ہیں۔ جیسے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمہ کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر حاشیہ کی صورت میں موجود ہے۔ اگر کسی بات کی ترجمہ کے ذریعے سمجھ نہیں آرہی تو تفسیر سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ اسی طرح تفہیم القرآن، مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بیان القرآن، تفسیر ماجدی، مولانا ابوالکلام آزادؒ کا ترجمان القرآن، شاہ عبدالقادر کا موضح القرآن (تفسیری فوائد) اور بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا بیان القرآن (جس کی ترتیب و تالیف پر کام جاری ہے) اور صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر احسن البیان (اب تو ان کا معانی القرآن کے نام سے ترجمہ بھی دستیاب ہے۔) بھی مختصر صورت میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس قرآن حکیم سیکھنے کی مختلف سہولتیں موجود ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہم اس عظیم کام کی طرف آئیں۔ ادھر ادھر کے مباحث اور فلسفوں سے کنارہ کش ہو کر اس عظیم خزانے سے استفادہ کریں۔

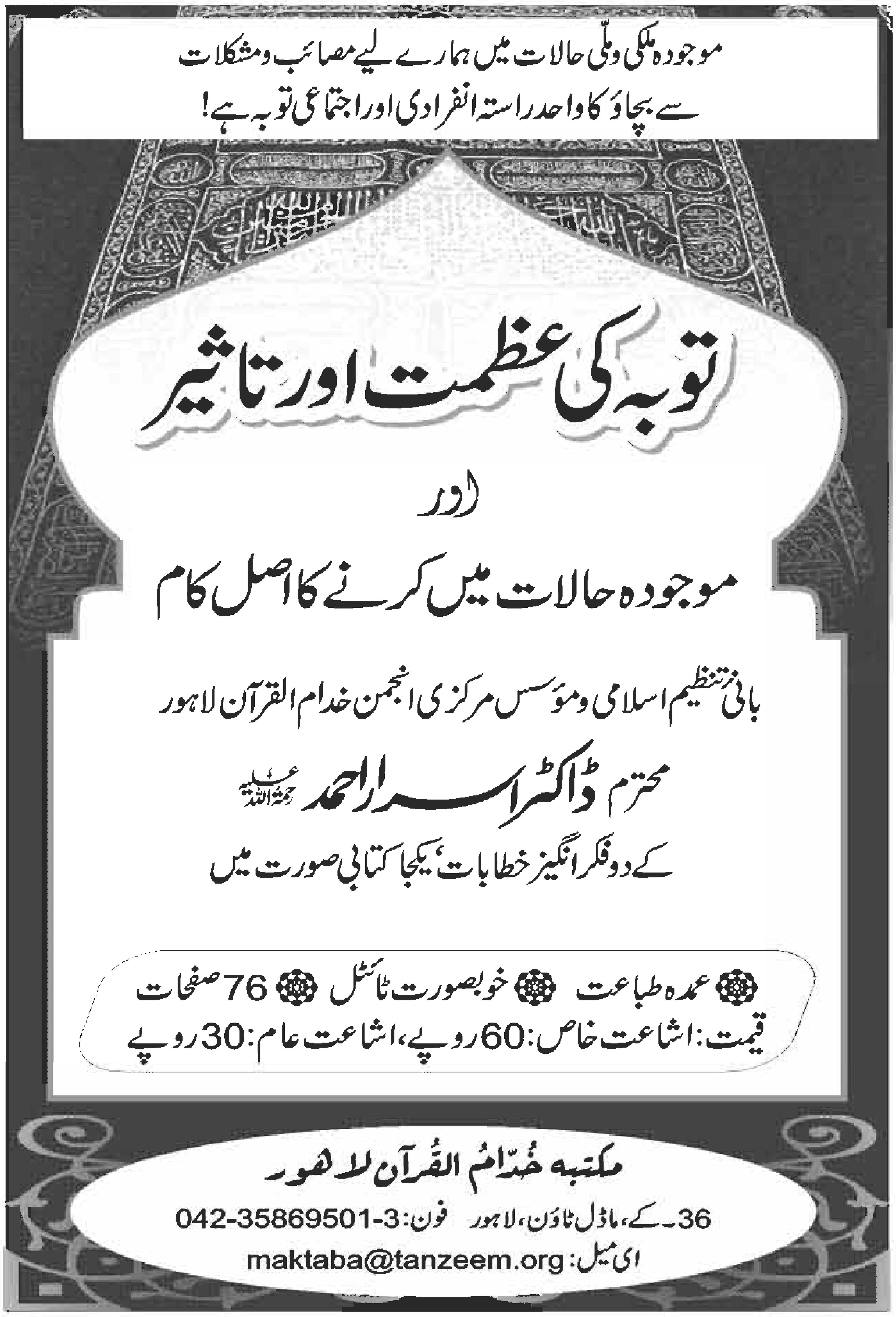

ایمان اور انسانیت کے قاتل قانون سے بالاتر کیوں؟

رفیق چودھری

ابھی قصور کے رہائشی محمد امین کے گیارہ سالہ جگر گوشے کے معصوم آنسوؤں، رحم طلب نگاہوں اور زندگی کی بھیک مانگتے ہوئے اس کی آہ وزاریوں کا بوجھ دل سے اتر نہ پایا تھا کہ ایک اور اندوہناک خبر نے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ فیصل آباد کے ایک علاقے میں ایک اور پیر کے حکم پر قید کی جانے والی دوشیزہ کو دس سال بعد بالآخر پولیس نے رہا کروالیا۔ قید کے وقت وہ بمشکل اٹھارہ یا انیس سال کی تھی، تب سے اس نے اپنے ہنسنے کھیلنے اور خوشیوں اور امنگوں کے دن ایک ایسی اذیت ناک قید میں گزار دیے بحیثیت انسان جہاں اس کے لیے ضروری لوازمات بھی موجود نہ تھے۔ اس سے بھی بڑی اذیت یہ کہ یہ سب اس کے ساتھ کسی اور کے ہاتھوں نہیں ہوا بلکہ اس کے اپنوں نے اسے جینے کی سزا دی۔ زندگی کی ان اذیتوں نے اسے وقت سے پہلے بوڑھا کردیا ہے۔ اس کی زندگی کی ساری توانائیاں اور ماہ وسال ایک بے رحم پیر کی بھینٹ چڑھ گئے۔ کم وبیش اسی کے ساتھ ایک اور خبر بھی کہ سندھ کے ایک وڈیرے کی نجی جیل سے سات افراد ایک ساتھ بمشکل رہا ہو سکے، جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ روتی پیٹتی عورتوں اور سسکتے بلکتے بچے اپنی داستانِ غم ایک نجی ٹی وی چینل کو سناتے رہے۔ اس واقعہ سے صرف چند دن قبل سندھ ہی کی ایک جاگیردارنی کی نجی جیل سے طویل عرصہ کے بعد ایک شخص کو رہا کروایا گیا۔ اور اب یہ دل دہلا دینے والی خبر کہ کراچی کے ایک قبرستان سے جادوگروں نے بچوں کی قبریں کھود کر ان کی ہڈیاں نکال لیں۔

قارئین! انسانیت ان پیروں، عاملوں، جادوگروں، وڈیروں، جاگیرداروں کے سامنے کس قدر بے بس ہو کر رہ گئی ہے۔ آئے روز ایسے واقعات دیکھ اور پڑھ کر قبل از اسلام کا وہ زمانہ یاد آتا ہے جب ہندوستان میں برہمن کا راج تھا اور انسانیت اس کے جبر واستبداد کے آگے بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ دھرم کا یہ ٹھیکیدار خود کو بھگوان کا چیلہ ثابت کرنے کے لیے عام انسانوں کی تقدیر کا مالک بن بیٹھا تھا اور ان کی جائیداد، جان ومال، عزت وآبرو اور زندگی پر اپنا پیدائشی حق جتاتا تھا۔ اس کا ہر حکم قانون اور دھرم کا درجہ رکھتا تھا اور اس کے ایک اشارۂ ابرو پر لوگ اپنی اور اپنے پیاروں کی زندگیوں کا بلیدان پیش کرنا خوشنودی کا باعث جانتے تھے۔

تقدس کے پردے میں ننگ انسانیت کھیل کا پردہ اسلام نے چاک کیا اور کلمہ طیبہ کی بنیاد پر رب واحد کے حضور ہر ادنیٰ و اعلیٰ، امیر وغریب کو بلا امتیاز رنگ و نسل ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا۔ یوں ذات پات اور چھوت چھات پر مبنی برہمن کے خود ساختہ استحصالی نظام کے بوجھ تلے سسکتی انسانیت نے اسلام کی چھتری تلے آ کر حقیقی معنوں میں سکھ چین اور سلامتی کا سانس لیا۔ اسی سلامتی والے دین کی بدولت خدائے بزرگ و برتر نے باطل طاغوتی نظاموں کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں پاکستان جیسی نعمت عطا کی تھی۔ جس کا ایک مطلب ''پاک استان'' بھی بنتا ہے۔ یعنی پاک جگہ یا سرزمین۔ استان کے معنی جگہ کے ہیں اور ''استھان'' سے مراد ہندوستان میں ایسی جگہیں ہوتی ہیں جہاں برہمن کی خوشنودی کے لیے زندہ انسانوں کو ذبح کر کے دیوتاؤں کو بلیدان پیش کیا جاتا تھا۔ یوں مظلوم انسانیت ان استھانوں یا آستانوں پر برہمن کے تخلیق کردہ کالے نظام کی بھینٹ چڑھتی تھی مگر اسلام کے متوالوں نے اسی سرزمین پر ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگا کر ایسے تمام انسانیت کش نظاموں کی نفی کردی اور ایک اللہ کی پاک دھرتی پر اللہ کے نظام کے قیام کا نعرہ لگایا کہ جہاں کسی انسان کی زندگی، جان و مال، آزادی اور حقوق سے کوئی برہمن نما کھیل تو کیا میلی آنکھ سے دیکھ بھی نہ سکے۔ جہاں انسانیت باطل نظریات کے ناپاک شکنجے سے مکمل آزاد ہو اور صرف اللہ ہی کے نظام میں رہتے ہوئے ہر انسان اپنی زندگی کو سنوار کر دنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل کرے۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ ہمارے آباء واجداد نے جس پاکستان کے لئے اس قدر عظیم، بے مثال اور بے انتہا قربانیاں پیش کیں، ہم نے اس کا حلیہ بگاڑ کر دوبارہ اس کی سرزمین کو ''استھان'' میں بدل ڈالا اور اپنے ہاتھوں سے سلامتی کے اس عظیم قلعے پر دوبارہ برہمن راج کا مہیب سیاہ جھنڈا گاڑھ ڈالا اور اپنی امیدوں کا محور ومرکز ایک بار پھر انہی پیروں، عاملوں، جادوگروں، مخدوموں، گدی نشینوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو بنا لیا جو ہماری آزادی، ترقی وخوشحالی، فلاح اور نمود کے دشمن ہی نہیں بلکہ عقیدہ وایمان اور انسانیت کے قاتل بھی تھے اور اپنے مستقبل کی بنیاد عدل و انصاف، مساوات اور بھائی چارہ پر مبنی عظیم اسلامی نظریہ پر رکھنے کے بجائے دوبارہ اسی فرسودہ اور جبر واستبداد پر مبنی جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ متعصبانہ، خانقاہی وطبقاتی نظام پر رکھی۔ نتیجتاً کہنے کو تو آج ہم آزاد ہیں مگر ذہنی طور پر اسی ساج کے نفسیاتی غلام ہیں جہاں ایک برہمن عام انسانی زندگیوں کا مکمل مالک ومختار ہوتا ہے۔ چنانچہ آج ہمارے اوپر مسلط یہ پیر، مخدوم، جاگیردار، وڈیرے، سرمایہ دار اور گدی نشین اسی برہمن ساج کے عکاس ہیں۔ کہ جو خود تو ہر ضابطۂ اخلاق، مذہب، قانون اور انسانیت کے تقاضوں سے بالاتر مطلق العنان، جابر وآمر ہیں۔ حکومت، سلطنت، امارت اور ملکی وقومی اثاثوں پر ان کا پیدائشی حق ہے اور عام انسان ان کے خود ساختہ باطل قوانین وضوابط اور طاغوتی جال میں جکڑا ہوا نسل در نسل پیدائشی غلام، جو ایک طرف اپنے خون پسینے کی کمائی سے ان آستانوں، خانقاہوں اور اونچے محلوں کی تجوریاں بھرنے پر مجبور ہے تو دوسری طرف ان ہی محلوں اور آستانوں میں بیٹھے گدی نشین، جاگیردار، سرمایہ دار، وڈیرے اور مخدوم حکومتی عہدوں پر قبضہ جما کر اس کی ناتواں رگوں سے رہا سہا لہو بھی نچوڑنے میں مصروف ہیں۔ چنانچہ اس دوہرے استحصالی، خانقاہی و طبقاتی نظام کے بوجھ تلے سسکتی انسانیت کی حالت آج شودر اور ویش سے بھی بدتر ہے۔ غربت افلاس اور بھوک پیاس کے مارے عوام خودسوزیاں کرنے اور سڑکوں پر تڑپ تڑپ کر جان دینے پر مجبور ہیں۔ جبکہ دوسری طرف ٹس سے مس نہ ہوتے طبقہ اعلیٰ کو موج مستیوں اور شہ خرچیوں سے فرصت نہیں۔ ایک طرف غربت کی لکیر

سے نیچے زندگی بسر کرنے والے کروڑوں افراد کی تعداد میں روز افزوں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے منہ کا نوالہ چھن کر نوبت فاقوں اور خودکشیوں تک جا پہنچی ہے تو دوسری طرف دوگنا سرعت رفتاری کے ساتھ بالائی طبقہ کی جائیدادوں، جاگیروں اور اندرون و بیرون ملک بینک اکاؤنٹس اور پراپرٹیز کا حجم بڑھ رہا ہے۔ حتیٰ کہ دونوں طبقات کے درمیان تیزی سے بڑھتی ہوئی اس طبقاتی خلیج کی نوبت ادنیٰ و اعلیٰ، لوئر کلاس و اپر کلاس کی تمام اصطلاحوں کو روندتی ہوئی بالآخر ذات پات اور چھوت چھات کی حدوں کو چھو رہی ہے۔ ان حالات میں اگر سندھ کے وڈیروں، جاگیرداروں اور جاگیردارنیوں کی نجی جیلوں سے عام انسان برآمد ہوں، کسی پیر کے ایک اشارۂ ابرو پر قوم کی بیٹیاں کئی کئی برس قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں یا کسی عام انسان کا لخت جگر و نور نظر کسی پیر کے بہیمانہ تشدد کی بھینٹ چڑھ جائے، غربت، افلاس اور فاقوں کے مارے لوگ حکومتی ایوانوں کی دیواروں کے سائے میں خودکشیاں و خودسوزیاں کریں یا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں اور نہ ہی پریشانی کی بات ہے بلکہ یہ سب تو اس سرمایہ دارانہ، خانقاہی و طبقاتی نظام کی برہمانہ شان و شوکت کا لازمی تقاضا و جز ہے کہ جس میں تمام حقوق صرف طبقہ اعلیٰ کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔ نیچ طبقہ چاہے جئے یا مرے اس کا فائدہ صرف طبقہ اعلیٰ کو ہی ہونا چاہیے اور وہ خوب ہو رہا ہے۔ جیسا کہ ڈرون حملوں اور سیلاب کی تباہ کاریوں میں گھر صرف غریب کے اجڑتے ہیں۔ غربت و افلاس اور موت کا رقص غریب کی جھونپڑی پر ہوتا ہے، لیکن اس کا تمام تر فائدہ طبقۂ اعلیٰ خوب خوب حاصل کر رہا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر بننے والے اس ملک میں سب کو مساوی حقوق حاصل ہوتے۔ قومی و ملکی اثاثوں میں ہر ایک کا حصہ برابر تسلیم ہوتا مگر بجائے اس کے ایک طبقہ ملک و قوم کی تقدیر کا مالک بن بیٹھا ہے اور دوسرا دن رات اس کی خدمت پر مامور اور محض غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور...... تو اس کے ذمہ دار بھی ہم خود ہی ہیں...... جی ہاں، ہم خود۔ اس لیے کہ ہم نے کلمہ طیبہ کی بنیاد پر اللہ کے حکم کو رائج اور اس کے نظام کو دل سے تسلیم کیا ہی نہیں۔ عظیم قائد نے جس قرآن عظیم الشان کو آئین پاکستان کا درجہ دیا تھا، وہ آج بھی پکار پکار کر اور مثالیں دے دے کر سمجھا رہا ہے کہ

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾﴾

(سورۃ توبہ)

''انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا (ان کے ہر حکم کو مذہب کا درجہ دے کر) اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اللہ ان جھوٹے خداؤں سے پاک ہے''

لیکن اس کے باوجود ہم آج بھی ان جھوٹے خداؤں کے طاغوتی جال میں پھنس کر ان کے ہر جائز و ناجائز حکم کو دین و دھرم کا درجہ دیئے بیٹھے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے ایک اشارۂ ابرو پر حوا کی معصوم بیٹیوں کو کئی کئی سال کی اذیت ناک قید و بند میں ڈال دیا جاتا ہے اور اپنے جگر گوشوں کی معصوم مسکراہٹوں اور امنگوں بھری زندگیوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جادو کفر و ضلالت اور انسانیت کا قتل عام ہے۔ اس کے باوجود عارضی فائدوں اور محض دنیا پرستی کی لالچ میں قرآن حکیم کے ان واضح فرمودات کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڐ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ (البقرہ)

''یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو نقصان پہنچائے اور نفع نہ دے سکے اور بالیقین وہ جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں۔ کاش وہ جانتے ہوتے۔''

آج ہماری قوم کے بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد ان جھوٹے خداؤں، جادوگر، پیروں، عاملوں پنڈتوں اور سادھوؤں کے آستانوں پر ماتھا ٹیک کر انہیں اپنی تقدیر و مستقبل کا مالک بنائے بیٹھے ہیں اور ان کی ''سیوا'' میں اپنا مال و دولت، جائیداد، غیرت، عزت و آبرو، ایمان و نظریہ سب کچھ لٹائے بیٹھے ہیں۔ اس شیطانی دھندے کو عروج بخشنے کے لیے نظریاتی سرحدوں کی ''حفاظت'' پر مامور ہمارا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا دن رات برہمنیت کے ان نمائندوں، سادھوؤں، جادوگروں اور پنڈتوں کی پبلسٹی میں مصروف ہے۔ قانون، انسانیت اور نظریہ پاکستان کے ان قاتلوں کی باقاعدہ رجسٹریشن کر کے پشت پناہی کر رہا ہے۔ ہمارے ارباب اختیار، سیاست دان و حکمران ان جعلی خداؤں کے ایک اشارۂ ابرو پر ملک و قوم کا سودا مارنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور قومی دولت، وسائل، جائیدادیں اور جاگیریں لا لا کر ان کے ''چرنوں'' میں ڈال رہے ہیں۔ چنانچہ قانون، حکومت اور میڈیا کی پشت پناہی میں روزانہ سینکڑوں گھر ویران ہو رہے ہیں۔ شریف باعزت گھرانوں کی عزت اور وقار نیلام ہو رہا ہے۔ چیلنج کر کے غریبوں کے روزگار اور کاروبار چھینے جا رہے ہیں اور چن چن کر متوسط اور نچلے طبقے سے ذہین اور قابل ترین افراد برہمنیت کے اس ''عفریت'' کا نوالہ بن رہے ہیں۔ تیزی سے پھیلتی ہوئی یہ دجالی وبا قوم کا بہترین ٹیلنٹ اور قیمتی سرمایہ نگل لینے کے ساتھ ساتھ ملکی اور عوامی وسائل اور اثاثوں پر بھی اپنے مکروہ پنجے گاڑ رہی ہے۔ آج ایک طرف ایک غریب آدمی کے پاس دو وقت کے کھانے کے پیسے نہیں دوسری طرف یہ پیر، عامل، جوگی، پنڈت، جادوگر روزانہ کروڑوں روپے کے اشتہارات اخبارات و چینلز پر دے رہے ہیں۔ ان کے پاس اس قدر زر کثیر کہاں سے آ گیا؟ کل یہی پیر پنڈت جوگی، مہاراج اور عامل بڑھتے اثاثوں اور پھیلتی جاگیروں کے بل بوتے پر مخدوم، وڈیرے اور سرمایہ دار ہوں گے اور ان کے صاحبزادے جانشین، رئیس زادے اور گدی نشین اسمبلیوں میں پہنچ کر قوم کی تقدیر کے ساتھ سرعام کھلواڑ کے ساتھ ساتھ عوام کی رگوں سے رہی سہی غیرت، حمیت اور جرأت سمیت خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ ڈالیں گے۔

قانون، عدلیہ، اسلامی نظریاتی کونسل، نظریۂ پاکستان ٹرسٹ یا عوامی فلاح کا کوئی بھی ادارہ اسلام اور نظریۂ پاکستان کے بالکل متضاد اور متصادم طبقاتی و استحصالی نظام کی اس بنیاد کو جڑ سے اکھاڑنے میں آج بھی اگر دلچسپی نہیں لیتا یا شریعت اسلامی میں ان عناصر کے خلاف باقاعدہ قانون مقرر ہونے کے باوجود مذہبی حلقے اس کو آئین پاکستان کا حصہ بنانے کے لیے حکومت پر دباؤ نہیں ڈالتے تو آنے والے وقت میں بڑھتی ہوئی یہ طبقاتی خلیج اور بڑھے گی۔

اے کاروان بت شکن و کعبہ گر
ذرا ادھر سے ہو پھر گزر!
غزنوی ہے کوئی ابن قاسم یا بابر
برہمن زدہ انسانیت ہے تمہاری منتظر
لو ذرا سومنات کی تم پھر خبر
کہ اللہ کی دھرتی ہے آج غیر کا گھر

کرسمس کی حقیقت

کیا 25 دسمبر حضرت عیسیٰؑ کا یوم ولادت ہے؟

عبدالوارث

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کسی بھی مذہب، گروہ، فرقہ، قوم یا ملک سے ہو اسے خوشی چاہیے، وہ خوش ہونا، ہنسنا اور مسکرانا چاہتا ہے۔ وہ تہوار منانا چاہتا ہے۔ مذہب انسان کی اس فطرت سے واقف ہے۔ لہٰذا وہ اسے تقریبات، عیدیں اور تہواروں کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ خوش ہوتا ہے تو اکثر و بیشتر حدود اللہ سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی مذاہب نے ان تقریبات، عیدوں اور تہواروں کو پاکیزہ رکھنے کی ہمیشہ تاکید کی ہے۔ لیکن حضرت انسان کی خواہش نفس کی تکمیل کے آگے جہاں مقدس الہامی کتب اور صحائف نہ بچ سکے، وہاں یہ بے چاری عیدیں اور تہوار کیا چیز ہیں۔

کرسمس (Christmas) دو الفاظ Christ اور Mass کا مرکب ہے۔ Christ مسیح کو کہتے ہیں اور Mass اجتماع، اکٹھا ہونا۔ مراد ہے، مسیح کے لیے اکٹھا ہونا، مسیحی اجتماع یا میلادِ مسیحؑ۔

یہ لفظ تقریباً چوتھی صدی کے قریب قریب پایا گیا، اس سے پہلے اس لفظ کا استعمال کہیں نہیں ملتا۔

دنیا کے مختلف خطوں میں کرسمس کو مختلف ناموں سے یاد کیا اور منایا جاتا ہے۔ اسے یول ڈے نیٹوٹی اور نوائل جیسے ناموں سے بھی منایا جاتا ہے۔ (نوائے وقت 27 دسمبر 2005ء)

''بڑا دن'' بھی کرسمس کا مروجہ نام ہے۔ یہ دن ولادت مسیحؑ کے سلسلہ میں منایا جاتا ہے۔ چونکہ مسیحیوں کے لیے یہ ایک اہم اور مقدس دن ہے، اس لیے اسے بڑا دن کہا جاتا ہے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسائی اسے 25 دسمبر کو، مشرقی آرتھوڈوکس کلیسائی 6 جنوری کو اور ارمینیا کلیسائی 19 جنوری کو مناتے ہیں۔ کرسمس کا بطور تہوار 25 دسمبر کو منانے کا ذکر پہلی مرتبہ 325ء کو شاہ قسطنطین کے عہد میں ملتا ہے۔ یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اولین کلیسائیں بڑا دن مناتی تھیں یا نہیں۔

یاد رہے کہ مسیحؑ کی صحیح تاریخ پیدائش کا کسی کو علم نہیں۔ تیسری صدی میں اسکندریہ کے کلیمنٹ نے رائے دی تھی کہ اسے 20 مئی کو منایا جائے۔ لیکن 25 دسمبر کو پہلے پہل رومہ میں اس لئے مقرر کیا گیا تا کہ اس وقت کے ایک غیر مسیحی تہوار، جشن زحل کو (Saturnalia) کو (جو رومیوں کا ایک بڑا تہوار تھا، اور جس میں رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں) جو راس الجدی کے موقع پر ہوتا تھا پسِ پشت ڈال کر اُس کی جگہ مسیحؑ کی سالگرہ منائی جائے۔ (قاموس الکتاب: ص 147)

اس کے علاوہ ''کینن فیرز'' نے بھی اپنی کتاب ''لائف آف کرائسٹ'' میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسیحؑ کی ولادت کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ انجیل سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس رات گڈریے بھیڑوں کو لیے ہوئے بیت اللحم کے کھیتوں میں موجود تھے۔ لیکن انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ''کرسمس ڈے'' کے آرٹیکل پر لکھنے والے نے اس پر ایک نہایت عمدہ تنقید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ دسمبر کا مہینہ تو ملک یہودیہ میں سخت بارش کا مہینہ ہے۔ ان دنوں میں بھیڑیں یا گڈریے کس طرح کھلے آسمان تلے رہ سکتے ہیں۔

4 صدیوں تک 25 دسمبر تاریخ ولادت مسیحؑ نہیں سمجھی جاتی تھی۔ 530ء میں سیتھیا کا ایک ڈاؤنیس اکسیگز نامی راہب جو منجم (ستاروں کا علم رکھنے والا) بھی تھا، تاریخ ولادت مسیحؑ کی تحقیق اور تعین کے لیے مقرر ہوا۔ سو اُس نے حضرت مسیحؑ کی ولادت 25 دسمبر مقرر کی کیونکہ مسیحؑ سے پانچ صدی قبل 25 دسمبر مقدس تاریخ تھی۔ بہت سے سورج دیوتا اُسی تاریخ پر یا اُس سے ایک دو دن بعد پیدا ہونا تسلیم کیے جا چکے تھے۔ چنانچہ راہب نے آفتاب پرست اقوام میں عیسائیت کو مقبول بنانے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ ولادت 25 دسمبر مقرر کر دی۔

قرآن مجید کی سورت مریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مریمؑ کو دردِ زہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی کہ کھجوروں کے تنے کو ہلائے، تا کہ ان پر تازہ پکی کھجوریں گریں اور وہ اس کو کھائیں اور چشمہ کا پانی پی کر طاقت حاصل کریں۔ اب فلسطین میں موسم گرما کے وسط یعنی جولائی، اگست میں ہی کھجوریں ہوتی ہیں۔ اس سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت جولائی یا اگست کے کسی دن میں ہوئی تھی اور 25 دسمبر کی تاریخ غلط ہے۔

(''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'': ص 435)

مذکورہ بالا حوالہ سے یہ بات تو روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ 25 دسمبر مسیحؑ کی یوم ولادت نہیں اور قاموس الکتاب کے حوالہ سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جشن زحل جو رومیوں کا تہوار جو عیاشیوں کی نظر ہو چکا تھا کو ایک مقدس تہوار سے بدل دیا گیا، تا کہ لوگوں کا رجحان مذہب کی طرف ہو جائے، مگر کسے معلوم تھا کہ یہ مقدس تہوار جشن زحل سے بھی خطرناک صورت اختیار کر جائے گا۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تہوار کا آغاز 336 عیسوی میں روم سے ہوا۔ ان دنوں کلیسا اور بادشاہوں کا آپس میں گٹھ جوڑ تھا۔ بادشاہوں کو غیر اخلاقی، غیر شرعی احکام کی تصدیق کے لیے چرچ کی مدد درکار ہوتی تھی اور پادری بھی بادشاہ کے ایما پر ایسے احکامات جاری کر دیا کرتے۔ بہرحال کرسمس کے تہوار کو پادریوں نے دربار تک پہنچا ہی دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شہرت اتنی بڑھی کہ دو تین برسوں ہی میں یہ تہوار سرکاری سرپرستی میں منایا جانے لگا۔ روم کے بعد جرمنی دوسرا علاقہ تھا جس میں کرسمس منائی جانے لگی۔ وہاں بھی اس تقریب کو سرکاری تقریب کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس زمانے میں جرمنی کسی خاص ملک یا سلطنت کا نام نہیں تھا۔ یہ رومی سلطنت کا ایک مفتوحہ علاقہ تھا، جس میں چھوٹے چھوٹے سرداروں کی حکومتیں تھیں۔ یہ سردار ابتدا میں کرسمس کا تہوار منانے روم جاتے تھے۔ واپس آ کر جب اپنے درباریوں کو واقعات سناتے تو وہ حیرت

کا اظہار کرتے۔ بعدازاں جرمنی نے مقامی سطح پر کرسمس کا اہتمام کیا۔ اس دن کے بعد تمام جرمن قبائل اپنے اپنے قبیلے میں کرسمس منانے لگے۔ یوں روم کے بعد اس خطے میں بھی کرسمس منائی جانے لگی، جسے آج کی دنیا جرمنی کا نام دیتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مروجہ تاریخ پیدائش نہ تو انجیل سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی اور مستند ذریعہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تین صدیوں تک میلاد مسیح منانا مشرکانہ اور بت پرستانہ فعل سمجھا جاتا تھا۔ بعدازاں مختلف چرچوں کی طرف سے اس خود ساختہ رسم کی روک تھام کے لئے متعدد احکامات بھی جاری کئے گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے Collier,s انسائیکلوپیڈیا)

کرسمس کے دوران ''کرسمس ٹری'' کا تصور بھی جرمنوں ہی کا پیدا کردہ ہے۔ یہ لوگ کرسمس کے دن حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جبرائیل علیہ السلام کا کردار مختلف اداکاروں کے ذریعے ایک ڈرامے کی شکل میں پیش کرتے اور تمام واقعہ دہراتے، جو مریمؑ کے ساتھ مسیحؑ کی ولادت کے ضمن میں پیش آیا۔ اور اس واقعے کے دوران درخت کو مریمؑ کا ساتھی بنا کر پیش کیا جاتا۔ وہ اپنی ساری اُداسی اور ساری تنہائی اس ایک درخت کے پاس بیٹھ کر گزاردیتی۔ یہ درخت بھی اسٹیج پر سجایا جاتا تھا اور ڈرامہ کے اختتام پر لوگ اس درخت کی ٹہنیاں تبرک کے طور پر اکھیڑ کر ساتھ لے جاتے اور اپنے گھروں میں ایسی جگہ لگا دیتے جہاں اُن کی نظریں اُن پر پڑتی رہتی۔ یہ رسم آہستہ آہستہ کرسمس ٹری کی شکل اختیار کر گئی اور لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں کرسمس ٹری بنانے اور سجانے شروع کر دیئے۔ اس ارتقائی عمل کے دوران کسی ستم ظریف نے اس پر بچوں کے لیے تحائف بھی لٹکا دیئے، جس پر یہ تحائف بھی کرسمس ٹری کا حصہ بن گئے۔ کرسمس ٹری کی بدعت انیسویں صدی تک جرمنی تک محدود رہی۔ 1847ء کو برطانوی ملکہ وکٹوریا کا خاوند جرمن گیا اور اسے کرسمس کا تہوار جرمنی میں منانا پڑا تو اس نے پہلی مرتبہ لوگوں کو کرسمس ٹری بنانے اور سجاتے دیکھا تو اسے یہ حرکت بہت بھلی لگی۔ لہٰذا وہ واپسی پر ایک ٹری ساتھ لے آیا۔ 1848ء میں پہلی مرتبہ لندن میں کرسمس ٹری بنوایا گیا۔ یہ ایک دیو ہیکل کرسمس ٹری تھا جو شاہی محل کے باہر آویزاں کیا گیا تھا۔ 25 دسمبر 1848ء کو لاکھوں لوگ یہ درخت دیکھنے لندن آئے اور اُسے دیکھ کر گھنٹوں تالیاں بجاتے رہے۔ اس دن سے لے کر آج تک تقریباً تمام ممالک میں کرسمس ٹری ہر مسیحی گھر میں بنایا جاتا ہے۔ (ایوری مینز انسائیکلوپیڈیا نیو ایڈیشن 1958ء)

ایک رپورٹ کے مطابق صرف برطانیہ میں 70 لاکھ کرسمس ٹری بنائے جاتے ہیں، جس پر 150 بلین پاؤنڈ خرچ آتا ہے۔ 200 بلین پاؤنڈ کے بلب اور چھوٹی ٹیوب لائٹس بھی نصب کی جاتی ہیں۔ کرسمس ٹری پر جلائی جانے والی لائٹس تقریباً پورا مہینہ جلائی جاتی ہیں۔ یوں صرف ایک ٹری پر ہزار پاؤنڈ یعنی 1 لاکھ روپے تک کی بجلی جلتی ہے۔ یہ اعداد و شمار صرف برطانوی شہر کے ہیں، باقی آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کرسمس کا آغاز ہوا تو اس کی واحد فضول خرچی موم بتیاں تھیں، لیکن پھر کرسمس ٹری آیا، پھر موسیقی، پھر ڈانس اور آخر میں شراب بھی اس میں شامل ہوگئی۔

شراب کے داخل ہونے کی دیر تھی کہ یہ تہوار عیاشی کی شکل اختیار کر گیا۔ صرف برطانیہ کا یہ حال ہے کہ ہر سال کرسمس پر وہاں 7 ارب 30 کروڑ پاؤنڈ کی شراب پی جاتی ہے۔ 25 دسمبر 2005ء کو برطانیہ میں جھگڑوں، لڑائی، مار کٹائی کے دس لاکھ واقعات سامنے آئے۔ 25 دسمبر 2002ء کو آبروریزی اور زیادتی کے 19 ہزار کیس درج ہوئے۔ سروے کے مطابق برطانیہ کے ہر 7 میں سے 1 نوجوان نے کرسمس پر شراب نوشی کے بعد بدکاری کا ارتکاب کیا۔ امریکہ کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے۔ امریکہ میں ٹریفک قوانین کی اتنی خلاف ورزیاں اس دن ہوتی ہیں کہ پورا سال نہیں ہوتیں۔ 25 دسمبر کو ہر شہری کے منہ سے شراب کی بُو آتی ہے۔ شراب کے اخراجات چودہ ارب ڈالر تک پہنچ جاتے ہیں۔ صرف اٹلانٹک سٹی کے جوا خانوں میں اس روز 10 ارب روپوں کا جوا ہوتا ہے۔ لڑائی مار کٹائی کے واقعات کی تقریباً چھ لاکھ اطلاعات آتی ہیں۔ 25 دسمبر 2005ء کثرت شراب نوشی کی وجہ سے حادثوں کے دوران کرسمس کے روز اڑھائی ہزار امریکی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ پانچ لاکھ خواتین اپنے بوائے فرینڈز اور خاوندوں سے پٹیں۔ چنانچہ یورپ میں بھی ایسے قوانین بن رہے ہیں کہ جن کے ذریعے شہریوں کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ وہ کرسمس کی عبادت کے لیے اپنے قریب ترین چرچ میں جائیں، شراب نوشی کے بعد اپنی گلی سے باہر نہ نکلیں۔ خواتین بھی اس خراب حالت میں اپنے بوائے فرینڈز اور خاوندوں سے دور رہیں۔ (مذکورہ بالا اعداد و شمار 2004ء و 2005ء کے ہیں)

اب تو عیسائیوں کے اندر بھی ایسے گروہ پیدا ہو چکے ہیں جو کرسمس کو پسند نہیں کرتے۔ یہ لوگ اس تہوار پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں۔ مثلاً مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کرسمس نہیں منائی۔ اُن کے بعد بھی 350 سال تک اس تہوار کا نام و نشان نہیں تھا، جس سے کرسمس کی حقیقت مشکوک ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے کرسمس کو سپانسر کر کے اسے مذہبی تہوار کی بجائے دوکانداری بنا دیا ہے۔ عیسائی مذہب اور اس کے تہواروں میں درخت کی کوئی گنجائش نہیں۔ انجیل میں واضح الفاظ میں یہ حکم موجود ہے کہ درخت کاٹ کر اور اسے مصنوعی طریقے پر صحن میں نہ گاڑھا جائے۔ بائبل میں تقریباً 38 مقامات سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ عیسائیت میں شراب نوشی حرام ہے، جبکہ اس روز شراب نوشی اہتمام کے ساتھ کی جاتی ہے۔ (سازشیں بے نقاب)

خلاصہ یہ ہے کہ جناب مسیحؑ کی تاریخ پیدائش کا حتمی علم نہ ہونا، اور ابتدائے مسیحیت میں اس دن کے منانے کا عدم ثبوت اِس بات کو تقویت پہنچاتا ہے کہ کرسمس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اِسے خواہ مخواہ اِس کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔ کیونکہ اگر کسی بھی مذہب کے مخصوص تہواروں میں ان کے ماننے والے مختلف نظر آئیں تو اس کا لازمی مطلب ہے کہ اس مذہب کے بانی اور اس کے اولین پیروؤں میں یہ ناپید تھا۔ قرآن مجید نے ایسی باتوں کے حوالے سے ہی فرمایا:

﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝﴾

(الکہف)

''نہیں ہے ان کو اس کے متعلق کوئی علم اور نہ ہی ان کے باپ دادا کو، بڑی ہی خطرے کی بات ہے جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے وہ نہیں، کہتے مگر جھوٹ ہی۔''

کرسمس کے حوالے سے ہم مسلمانوں کو بھی اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرنی چاہیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کا صحیح یوم پیدائش کسی کو معلوم ہی نہیں۔ لہٰذا اس ضمن میں (باقی صفحہ 14 پر)

ہم نے خودشاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس

اوریا مقبول جان

کبھی کبھی مجھے دنیا بھر کے میڈیا کی خوفناک کامیابی پر حیرت ہونے لگتی ہے، جب ساری زندگی مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر قرآن پاک کے ترجمے اور تفسیر کا علم حاصل کرنے والا رسول ﷺ کی احادیث کا بغور مطالعہ کرنے والا، پھر مدتوں اپنی چٹائیوں پر بیٹھے شاگردوں کو قرآن و حدیث کا درس دینے والا عالم دین اپنی شرعی شکل و شباہت اور وضع قطع کے ساتھ ٹی وی کے کیمروں کے سامنے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میری پارٹی کی ساری جدوجہد جمہوریت کی بقا اور اس کی سلامتی سے عبارت ہے۔ مجھے اس وقت میڈیا کے جادو کا یقین سا ہونے لگتا ہے کہ جب ایک مغربی طرز تعلیم سے آراستہ لیکن ساتھ ہی دینی علوم سے آشنا اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا علمبردار ایک مذہبی رہنما اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس ملک میں ہم جس انقلاب کے داعی ہیں وہ جمہوری راستے سے آئے گا۔ ہم آئین اور قانون کی پاسداری اور جمہوری اقدار کے فروغ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ کتنے سادہ ہیں یہ انقلاب کے دعوے دار اور اللہ کے دین کی سربلندی کا دعویٰ کرنے والے۔ انہیں کس قدر یقین ہے کہ وہ جمہوریت جو دنیا کے مہذب ترین ممالک میں دولت مند اور سرمایہ دار مافیا کے ہاتھوں میں غلام ہے، جہاں آج جمہوریت کے ڈیڑھ سو سالہ زخم خوردہ معاشرے میں لوگ اس استحصال کے خلاف سڑکوں پر نکل آئے ہیں اور ان کا ایک ہی نعرہ ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ جمہوریت ننانوے فیصد عوام پر ایک فیصد سرمایہ داروں کی بدترین آمریت ہے۔ ایسے سسٹم اور ایسے انتخابی نظام میں یہ انقلاب کے دیوانے اور اسلامی شریعت کے علمبردار دو سو سال بھی سرگرم عمل رہیں تو ناکام ہی لوٹیں گے۔ اس لیے کہ جمہوریت کے خمیر میں انقلاب کی مٹی ہی نہیں۔ انقلاب تو آمریت اور جمہوریت دونوں کی ضد ہوتا ہے۔ انقلاب تو ایک ریلا ہے، ایک طوفان ہوتا ہے جو لٹیروں کو بہا کر لے جاتا ہے، خواہ ایک آمر ہو یا چار سو پارلیمینٹیرین کی آمریت۔

پوری دنیا میں جمہوریت کا سفر دوسال سے زیادہ کا نہیں۔ اس سے پہلے دنیا پر بادشاہ حکومت کیا کرتے تھے۔ یہ سارے بادشاہ اپنی حکومت کے لیے ایک خاص طبقے کے مرہون منت ہوتے تھے جو ان کے لیے پیادہ اور گھڑسوار سپاہی فراہم کرتا اور ان کی جنگوں اور معرکوں کے اخراجات اٹھاتا تھا۔ یہ طبقہ پہلے جاگیردار تھا اور پھر صنعتی انقلاب کے بعد سرمایہ دار۔ یہ جب اپنے سرمایہ کے زور پر کرایہ دار افواج کے ذریعے کسی ایک شخص کو تخت پر بٹھا دیتے تو پھر عام آدمی کو جی بھر کر لوٹتے۔ اس کے خون پسینے کی کمائی سے اپنے محل بھی تعمیر کرتے اور محبوب بیوی کی قبر پر تاج محل بھی۔ روم کے پرتعیش درباروں سے لے کر فرانس کے سونے میں جڑے ہوئے ورسائی محل تک اور چین کے شہر ممنوعہ (Forbidden City) سے اصفہان کے چہل ستون تک ان بادشاہوں اور ان کے ساتھیوں کے محلات نظر آتے ہیں جو عام آدمی کی دولت سے تعمیر ہوئے۔ لیکن تین سو سال قبل جب اس پسے ہوئے عام آدمی نے انگڑائی لینا شروع کی، چہروں پر غصہ اور زبان میں نفرت آئی تو اس کا پہلا مظاہرہ فرانس کا انقلاب تھا جس نے صرف بادشاہ کا سر ہی نہیں، ان سب لوگوں کی گردنیں بھی کاٹ کر رکھ دیں جو اس ظلم و جبر اور استحصال کے ساتھی تھے۔ اب اس طبقے نے حکومت تو کرنا تھی۔ اس کے پاس سرمایہ بھی تھا۔ لیکن اب لوگوں کو بندوقوں اور سپاہیوں سے زیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس بیدار قوم کو کیسے فتح کیا جائے۔ یوں جمہوریت کا ایک خوبصورت جال بچھایا گیا جس میں ایک آمر، ڈکٹیٹر اور فرعون کی آمریت کو چار سو منتخب نمائندوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان کو گروہوں اور پارٹیوں میں منظم کیا گیا۔ پہلے بہت سے سرمایہ دار اور جاگیر دار مل کر ایک بادشاہ کی مالی اور افرادی مدد فراہم کرتے تھے۔ اب بہت سے سرمایہ دار اور جاگیر دار مل کر ایک پارٹی کی مالی مدد اور مادی وسائل فراہم کرنے لگے تاکہ جب بھی وہ برسر اقتدار آئے تو ان کے شکنجے میں جکڑی رہے۔ جہاں ضروری سمجھا گئی پارٹیوں کو دولت کے انبار سے نوازا گیا تاکہ جو بھی برسر اقتدار آئے ان کے قابو میں رہے۔ اسمبلی کے ممبران کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں، پارٹی مفاد سرمایہ دار کے ہاتھ میں۔ امریکہ کا صدر خواہ موچی کا بیٹا ہو لیکن جیتنے کے لئے کئی ارب ڈالر کا محتاج ہو جو اسے سرمایہ دار مل کر ادا کریں اور پھر وہ صرف اور صرف ان کے مفادات کا تحفظ کرے۔

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت امریکہ میں گزشتہ الیکشن میں اوباما نے ایک ارب ڈالر اپنے الیکشن پر خرچ کیا اور اس کے مدمقابل نے بھی اتنا ہی خرچ کیا، جبکہ تمام چھوٹے موٹے سینٹ وغیرہ کے الیکشن ملا کر ساڑھے پانچ ارب ڈالر امیدواروں نے خرچ کیے جو انہیں کارپوریٹ کلچر کے عوام کا خون چوسنے والوں نے فراہم کیے۔ اگلے الیکشن کے لیے دونوں جانب سے چھ ارب ڈالر جمع کرنے کی حد رکھی گئی ہے۔ دنیا کی قدیم جمہوریت برطانیہ میں الیکشن کمیشن نے ایک امیدوار کو چھ لاکھ پونڈ تک خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ سرکاری گوشوارے کے مطابق پارٹیوں نے فی کس اشتہارات پر دس لاکھ پونڈ، رہائش پر 3 لاکھ پونڈ، جلسوں پر 2 لاکھ پونڈ، ٹرانسپورٹ پر دو لاکھ پونڈ اور دیگر اخراجات پر 180 لاکھ پونڈ خرچ کیے۔ اس کے علاوہ وہاں مختلف گروہ، ادارے اور میڈیا ہاؤس ہیں جو پارٹیوں کی مدد کرتے ہیں، انہوں نے 300 لاکھ پونڈ خرچ کیے۔ فرانس کے گزشتہ صدارتی الیکشن میں پہلے مرحلے میں امیدواروں نے 17 ملین یورو فی کس خرچ کیے اور دوسرے مرحلے میں 21 ملین یورو۔ بھارت کے الیکشن میں امیدوار ہر دفعہ 4 ارب ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ یہ ان تمام اخراجات کے علاوہ ہیں جو مختلف سرمایہ دار کمپنیاں مختلف اشتہارات، ٹی وی شوز، سپانسر اور جہازوں کے ٹکٹ اور گاڑیوں کی صورت میں خرچ کرتی ہیں، جو ان اخراجات کا حصہ نہیں ہوتے۔ ان الیکشنوں

کے بعد عوام کے نمائندے یوں تو لہراتے ہوئے جیت کر آتے ہیں اور پھر اگر ایک ملٹی نیشنل کمپنی کا ٹھیکہ طالبان قبول نہیں کرتے تو جمہوریت کے یہ آزاد ارکان سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس ملک پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اپنے ہم وطنوں کی لاشیں اٹھاتے ہیں۔ لیکن کمال ہے اس جمہوریت اور اس کے کامیاب ہتھیار میڈیا کا کہ اسے عوام کا فیصلہ کہا جاتا ہے کیا خوب لفظ ایجاد کیا گیا ہے، پارلیمنٹ میں Public will (عوام کی آواز) بولتی ہے۔ یہ پارلیمنٹ ایک بدمعاش، چوراچکے، بددیانت کو لوگوں کو لوٹنے دے، عوام کا خون چوسنے کا اختیار دے، عام آدمی کی دولت سے دنیا بھر میں جائیدادیں خریدنے کا سرٹیفکیٹ دے دے۔ کیا مضحکہ خیز بات ہے کہ یہ عوام کی رائے ہے۔ یہ ان کا فیصلہ ہے۔ یہ ہے ایک فرعون کا اختیار جو چار سو لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اب یہ طبقہ بھی بہت ہوشیار ہو گیا ہے۔ انہیں پتہ ہے لوگ ایک فرعون کا چہرہ زیادہ دیر دیکھنا نہیں چاہتے۔ اس لیے چار سال یا پانچ سال بعد بدل دو، جب دو سے اکتا جائیں تو تیسرا لے آؤ، کیا کرے گا۔ ہمارے سرمائے پر پلا ہے، ہمارے میڈیا نے اسے ہیرو بنایا ہے۔ ہماری بلی اور ہمیں کو میاؤں۔ یہ میاؤں آج تک کسی نے نہیں کرنے دی۔

پچاس کی دہائی میں رینڈ کارپوریشن نے ایک رپورٹ مرتب کی تھی کہ اللہ کی شریعت، خلافت اور مسلمانوں کی بالادستی کو روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کی مذہبی پارٹیوں کو مغربی جمہوری نظام کا حصہ بنا دو، ان کے انقلاب کے غبارے سے ہوا نکل جائے گی۔ میرے دین کے سادہ لوح رہنما جانتے ہیں کہ اسلام غلبے کا قائل ہے۔ غلبہ کیا ہوتا ہے۔ ایک گاؤں میں پانچ سو لوگ رہتے ہیں لیکن پانچ بدمعاشوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان پانچ بدمعاشوں کے غلبے کو ختم کر کے اس کے قانون کا غلبہ قائم کیا جائے۔ اور یہ اس جمہوری نظام میں دو سو سال تک ناممکن ہے۔ اقبال نے اپنے ظریفانہ کلام میں کہا تھا ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

بحث ونظر

''گردنیں کاٹ بھی دوگے تو لہو بولے گا''

انجینئر فیضان حسن

26 نومبر کو نیٹو کی بمباری کے نتیجے میں پاکستان آرمی کے 27 جوان اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ان کی منزلوں کو آسان فرمائے۔ بہر حال یہ ملکی سالمیت پر کھلا حملہ تھا اور حسب توقع اس واقعے کو بے تحاشا اہمیت دی گئی۔ میڈیا نے بھی اس کو بھرپور کوریج دی۔ سیاسی قیادت نے بھی بیان داغے، نیٹو کی سپلائی بند کر دی گئی، بون کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا گیا، امریکہ کو 'سنگین' نتائج کی دھمکیاں دی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ بجا ہے، یہ ضرور ہونا چاہیے تھا، لیکن جو چیز مجھے بے چین کیے دیتی ہے، وہ ہمارا قومی طرز عمل ہے، اجتماعی سوچ ہے۔ کیا ملکی سالمیت کو پہلی بار پامال کیا گیا۔ کیا پاکستان کے شہری پہلی بار امریکی یلغار سے جاں بحق ہوئے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر ہم نے روز اول سے ہی امریکہ کے خلاف یہ اقدامات قدم کیوں نہیں اُٹھائے۔ ملکی سالمیت کی دھجیاں تو کئی سال ہوئے ڈرون طیارے اُڑا رہے ہیں۔ بے گناہ مسلمان معصوم بچے، عفت مآب مائیں بہنیں اِن حملوں کے نتیجے میں جاں بحق ہو رہی ہیں۔ پھر ہم نے اب تک چپ کیوں سادے رکھی ہے۔ مجھے اس فلسفے کو سمجھنا ہے کہ ایک سویلین میں اور ایک فوجی کی جان میں کیا فرق ہے۔ یہ امتیاز کیوں ہے؟ یہ دوہرا معیار ہم نے کیوں اپنا رکھا ہے کہ میجر مجاہد کی محرم کے بعد ہونے والی منگنی تو بریکنگ نیوز بنتی ہے، لیکن حسان بن عبدالعزیز کے آنکھوں کے ارمان کسی کو نظر نہیں آتے؟ 27 خاکی والوں کے لیے تو پنجاب اسمبلی کے باہر خراج تحسین کا بینر لگتا ہے لیکن ڈمہ ڈولہ کے ڈرون حملوں میں شہید ہونے والوں کا کسی کو نام بھی یاد نہیں ہوتا؟ نیوی کے لیفٹیننٹ یاسر عباس کی روتی ہوئی ماں تو پوری قوم کو رلا دیتی ہے، لیکن وہ ماں جس کو آج تک جامعہ حفصہ سے اپنی بیٹی کی لاش تک نہیں ملی، اس کے آنسو ہم پر کوئی اثر نہیں کرتے؟ ڈرون حملے میں سعد اللہ کی دونوں ٹانگیں چلی جاتی ہیں لیکن نیٹو کو کوئی دھمکی کیوں نہیں دی جاتی۔ فہیم اور فیضان کو مارنے والے کو پروٹوکول دے کر جہاز پہ بٹھایا جاتا ہے لیکن کوئی آنسو نہیں گرتا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عقوبت خانوں میں لال مسجد کی قرآن پڑھتی ہوئی معصوم بچیوں کو برہنہ کیا جاتا ہے لیکن کسی محمد بن قاسم کی خوابگاہ میں انگارے نہیں جلتے۔ چکلالہ میں بلیک واٹر کے اہلکاروں کو خاکی والے سیلوٹ کرتے ہیں تو کوئی صلاح الدین ایوبی نہیں تڑپتا۔ کئی کلومیٹر اندر آ کے سٹیلتھ ہیلی کاپٹر کارروائی کرتے ہیں مگر تب کسی بون کانفرنس سے انکار نہیں کیا جاتا۔ گامے شاہ میں مرنے والے کے تو رشتے دار بھی ٹی وی پر آتے ہیں لیکن مولوی فقیر محمد کا معصوم بیٹا مدرسے پر ڈرون حملے میں شہید ہو جاتا ہے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بلیک واٹر کے اہلکاروں کو اسلام آباد میں 500 گھر دیے جاتے ہیں اور بدلے میں سوات کے لاکھوں لوگوں کو گھروں سے نکال دیا جاتا ہے لیکن کوئی آسمان نہیں ٹوٹتا۔ لا الہ الا اللہ کا کلمہ جس ایوان کے باہر لکھا ہوا ہے، اس میں غیر اسلامی قوانین بنتے ہیں لیکن کسی ٹیپو کی آنکھوں میں خون نہیں اترتا۔ وزیرستان کو قبرستان بنا دیا جاتا ہے، سوات کو مات دے دی جاتی ہے، لیکن ملکی سالمیت محفوظ رہتی ہے، اور ایٹم بم کو شب برات پر چلانے کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ارے ہم سے بہادر تو فلسطین کا وہ سات سالہ بچہ ہے، جس کے پاس ایٹم بم بھی نہیں لیکن وہ پھر بھی اسرائیلی ٹینک کے سامنے پتھر لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

میرے قارئین برا نہ مانیں، لیکن ایک مثال یاد

آتی ہے۔ ایک صابن کے اشتہار میں ایک خاص نیلی روشنی دکھائی جاتی تھی، جو ہر صاف چیز میں بھی بے تحاشا جراثیم دکھا دیتی تھی۔ اللہ نہ کرے اگر یہ روشنی میری اور آپ کی آنکھوں میں پیدا ہوگئی تو ہمیں کوکا کولا میں لال مسجد کی بچیوں کا خون نظر آنے لگے گا۔ لذیذ کھانوں میں سے ڈمہ ڈولہ کی لاشوں کی بدبو کے بھبکے اٹھنے لگیں گے۔ بہترین پوشاکوں میں بھی عافیہ کی برہنہ پائی دکھنے لگی گی اور پرسکون خوابگاہوں میں گوانتانا موبے کی غلاظت پڑی نظر آئے گی، اور ہم سے اس زندگی میں جینا بھی مشکل ہوجائے گا۔

کاش! عافیہ صدیقی کسی جنرل یا سیاستدان کی بیٹی ہوتی۔ کاش! اسامہ بن لادن بھی کسی ایجنسی کے اشاروں پر 'جہاد' کرتا۔ کاش مولوی فقیر محمد کا بیٹا بھی خاکی وردی میں ملبوس ہوتا۔ کاش لال مسجد میں درس نظامی کے ساتھ I.S.S.B بھی ہوتی اور اے کاش کہ ڈرون حملوں میں روزانہ سسک سسک کر مرنے والوں کے کندھوں پر بھی چاند ستارے ہوتے تو نیٹو کی سپلائی بہت عرصہ پہلے بند ہوجاتی۔ پینٹا گان سے محبت کی پینگیں ٹوٹ چکی ہوتیں۔

لیکن شکر ہے اللہ کا کہ ایسا نہیں ہے...... کیوں کہ یاد رکھیے سرور کائنات ﷺ کے فرامین کے مطابق اسلام کا عروج جن مبارک ہاتھوں سے ہونا لکھا ہے، ان کے بدن پر خاکی وردی نہیں ہوگی بلکہ سروں پر کالے عمامے ہوں گے۔ وہ 45 بلٹ پروف گاڑیوں کی بجائے لاٹھیاں پکڑ کر پیدل پہاڑوں میں گھومتے ہوں گے اور ان کو حکومت کرنے کے لیے ایوانوں کے مخملیں قالینوں کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ ایک ریت کی بوری پر بیٹھ کر وہ خلافت اسلامیہ کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ اور یہ کسی مولوی کے تخیلات نہیں، یہ سرور کونین ﷺ کی احادیث ہیں۔ مانا کہ یہ "خاکی" اپنی فطرت میں نوری وناری سے خود کو برتر سمجھتا ہے لیکن انہیں سمجھنا چاہیے کہ خاکی وردی پہنے ہوئے گورے تو ہمارے ہمسائے میں ہی ان خانہ بدوشوں کے ہاتھوں ذلیل ہو چکے۔ اب اگر ان کے غلام جو انہی کا کھاتے ہیں اور انہی کے ہاتھوں مرتے بھی ہیں، وہ اپنی اصل حقیقت کو پہچان جائیں اور حزب اللہ کا کردار ادا کرنے والے بن جائیں تو فبہا، ورنہ جان لیں کہ یہ کتنی بھی حمایت کر لیں ...... آنے والا دور عمران کا نہیں، بلکہ عمر کا ہے، ان شاء اللہ۔ اب بھی اگر تم نہ سنبھلے تو شاید کل اپنی بقا کے لیے انہی زخموں سے چور چور انسانوں سے تمہیں امیدیں لگانا پڑیں، جن کی سعید روحوں کو گھاؤ لگا لگا کر تم نے مجروح کیا اور اس وقت شاید تمھارے ہی ہاتھوں سے کھائے ہوئے کوڑوں کا درد انہیں تمہاری بقا کی جدوجہد سے دور کردے ؎

تم نے ہر عہد میں، ہر نسل سے غداری کی
تم نے بازاروں میں عقلوں کی خریداری کی
اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی خودداری کی
خوف کو رکھ لیا خدمت پہ کمادای کی
اور آج تم مجھ سے میری جنس گراں مانگتے ہو
حلف ذہن و وفاداریٔ جاں مانگتے ہو
جاؤ، یہ چیز کسی مدح سرا سے مانگو
طائفے والوں سے، ڈھولک کی صدا سے مانگو
مجھ سے پوچھو گے تو خنجر سے عدو بولے گا
گردنیں کاٹ بھی دو گے تو لہو بولے گا

ضرورت رشتہ

☆ بہاولپور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 24 سال، تعلیم اے سی سی اے، کے لیے دینی مزاج کی حامل تعلیم یافتہ (ترجیحاً گریجویٹ) لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0323-8435538

☆ راجپوت فیملی کو اپنی نیک سیرت بیٹی، عمر 23 سال، قد "5'5 تعلیم ایم ایڈ کے لیے نیک سیرت ہم پلہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0332-4353602

☆ لاہور میں رہائش پذیر متوسط جٹ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، قد "5'6، بی کام کی طالبہ کے لیے لاہور سے نیک سیرت، لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ لڑکے کی عمر 28 سال سے زائد نہ ہو۔ (لڑکے کی والدہ رابطہ کریں)

برائے رابطہ: 0306-4097005

بقیہ: کرسمس کی حقیقت

اگر کوئی مسلمان اس دن مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی مبارک باد دے تو یہ صریحاً خلاف واقعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مسیحیوں کے نزدیک 25 دسمبر کو خدا کا ایک بیٹا پیدا ہوا ہے، جبکہ یہ عقیدہ توحید کی ضد ہے۔ ہمارا دین یہ بتاتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ تو وہ کسی سے جنا نہ اُس کی کوئی اولاد ہے۔ لہٰذا عیسائیوں کو مبارک باد دینا یا اس ضمن میں کسی بھی تقریب میں شرکت کرنا اسلامی نظریہ کے مطابق ہرگز درست نہیں۔ افسوس کہ آج کا ماڈریٹ مسلمان خواہ مخواہ غیروں کی ثقافت اور کلچر سے مرعوب نظر آتا ہے اور بے علمی و جہالت سے نہ صرف کرسمس جیسے تہواروں پر مبارکباد دیتا اور خوشی کا اظہار کرتا ہے، بلکہ اس موقع پر برپا کی جانے والی شراب وشباب کی محفلوں میں شریک ہوکر اظہار یکجہتی کا عملی نمونہ پیش کرکے اسلام سے سراسر انحراف کرتا ہے۔

راقم نے چند سال پہلے اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام سے قبل میری زندگی میں ایک کرسمس ایسا بھی آیا کہ جس کو خوب دھوم دھام سے منایا۔ اس پروگرام میں میرے 20 سے 25 ایسے دوستوں نے بھی شرکت کی جو مسلمان تھے بلکہ انہوں نے کرسمس پارٹی کے اخراجات میں میری معاونت بھی کی، مگر حیرانی کی بات یہ ہے کہ اب جبکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور انہی دوستوں کو گھر میں یا دیگر مقامات پر درس قرآن کی محفلوں میں شرکت کی دعوت دیتا ہوں تو وہ جو رات 3 بجے تک میرے ساتھ کرسمس مناتے رہے، یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وقت نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مفکر پاکستان نے فرمایا:

میں یورپی تصور کی وطنیت کا مخالف ہوں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس سے مسلمانوں کو کمتر مادی فوائد حاصل ہوں گے بلکہ اس لیے کہ اس میں منکر خدا مادیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں جسے میں جدید انسانیت کے لیے عظیم ترین خطرہ سمجھتا ہوں۔ (خطبہ صدارت)

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی گوجر خان کے زیر اہتمام شب بیداری پروگرام

29 اکتوبر 2011ء بعد نماز مغرب مسجد العابد میں شب بیداری پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔اس پروگرام میں 25 رفقاء نے شرکت کی۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز بعد نماز مغرب ہوا۔ سب سے پہلے جاوید اختر نے قول وفعل کے تضاد کے حوالے سے حدیث مبارکہ کی تشریح کی۔ بعدازاں محمد عثمان مرزا نے اپنے درس حدیث میں مخزومی عورت فاطمہ کی چوری اور حضرت اُسامہؓ کی سفارش کو موضوع سخن بنایا۔ مدرس نے کہا کہ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اسلامی قانون میں سب لوگ برابر ہوں گے۔ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔انہوں نے کہا کہ آج اسلامی نظام کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے ہم ظلم و ناانصافی کا شکار ہیں اور پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ اگلا بیان نعمان احمد کا تھا۔انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں فریضہ نہی عن المنکر کی اہمیت بیان کی۔اُن کے بعد پروفیسر حافظ ندیم مجید نے ''داعی کی زندگی میں دعا کی اہمیت'' پر گفتگو کی۔ بعدازاں نماز عشاء اور کھانے کا وقفہ ہوا، جس کے بعد نعیم اکرم نے درس حدیث دیا۔اِس کے بعد امیر مقامی تنظیم فاروق حسین نے مذاکرہ کرایا، جس کا موضوع ''اقامت دین کے لیے کام کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف'' تھا۔انہوں نے رفقاء کو سالانہ اجتماع میں شرکت کے حوالے سے ترغیب وتشویق بھی دلائی۔اس کے بعد رفقاء نے آرام کیا۔اگلی صبح انفرادی نوافل اور تلاوت کے بعد پروفیسر ندیم مجید نے درس قرآن دیا اور ناشتہ کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔اللہ تعالیٰ ہماری یہ سعی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔(آمین) (مرتب: بابر حسین)

مقامی تنظیم دیر بالا کے زیر اہتمام فہم دین پروگرام

مقامی تنظیم دیر بالا کے زیر اہتمام جامع مسجد بھکلے میں بعد نماز عصر فہم دین پروگرام ہوا، جس کے لیے راقم نے حلقہ کی وساطت سے اُسرہ واڑی کے نقیب حافظ احسان اللہ اور جناب خورشید صاحب کو مدعو کیا تھا۔مذکورہ مسجد میں نماز عصر کے بعد احسان اللہ نے خلافت کی حقیقت اور دین و مذہب میں فرق کے موضوعات پر مفصل خطاب کیا۔انہوں نے کہا کہ حاکمیت فقط اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔اُس کی ذمہ داری ہے کہ زمین پر اللہ کی حاکمیت کے قیام کی جدوجہد کرے۔انہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں دین میں پورے داخلے کا حکم دیا ہے۔یہ تقاضا تب پورا ہوگا، جب ہم نہ صرف انفرادی زندگی میں اسلام پر عمل کریں بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی دین کے غلبہ واقامت کی کوشش کریں گے۔دوسری نشست بعد نماز مغرب ہوئی، جس میں حافظ احسان اللہ نے ''تنظیم اسلامی کا طریق انقلاب'' پر مفصل خطاب کیا۔اس پروگرام میں 5 رفقاء اور 35 احباب نے شرکت کی۔ دعا پر یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: لائق سید)

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر اہتمام ایک روزہ دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کے زیر انتظام ایک روزہ دعوتی پروگرام 5 دسمبر 2011ء بروز سوموار صبح 10 بجے الہدیٰ لائبریری منڈیاں ایبٹ آباد میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز اسد قیوم کے درس قرآن سے ہوا۔انھوں نے سورۃ النور کی روشنی میں ''اسلامی انقلابی جماعت میں امیر و مامورین کے باہمی تعلق'' پر گفتگو کی۔اس کے بعد جناب فصیح الرحمٰن نے اخلاص نیت کے موضوع پر درس حدیث دیا۔ایبٹ آباد تنظیم کے بزرگ ساتھی جناب سلطان احمد نے ''رحماء بینھم'' کے موضوع پر گفتگو کی۔انھوں نے کہا کہ ہم میں سے ہر رفیق کو اس بات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ میرا اپنے تنظیمی بھائیوں کے ساتھ تعلق رحمت، شفقت اور مودت کا ہے یا نہیں، جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ انقلابی کارکن راتوں کو اللہ کے حضور کھڑے ہوں۔اس عمل کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے اس پر خصوصی توجہ دی۔ اُن کے خطاب کے بعد رفقاء کی چائے سے تواضع کی گئی۔ چائے کے وقفے کے بعد ''تنظیم اسلامی کی دعوت کا اجمالی جائزہ'' کا مذاکرہ ہوا۔چار رفقاء نے اسی موضوع پر اپنے اپنے انداز میں گفتگو کی۔دن ایک بجے نماز ظہر و کھانے کا وقفہ ہوا۔وقفے کے بعد ''رسول انقلاب کا طریق انقلاب'' کے موضوع پر مذاکرہ ہوا۔اس مذاکرہ میں بھی چار رفقاء نے اپنے اپنے انداز میں گفتگو کی۔اِس کے بعد ثاقب خان نے ''امرکم بخمس......'' والی حدیث کا درس دیا۔ پروگرام کے آخر میں بصیر احمد نے بیعت کے الفاظ کی تشریح کی۔نماز عصر کے ساتھ ہی پروگرام کا اختتام ہوا۔اس پروگرام میں 19 رفقاء نے شرکت کی۔اللہ تعالیٰ رفقاء کی سعی و جہد کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔(آمین) (مرتب: محمد ندیم علوی)

حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے زیر اہتمام مبتدی رفقاء کے ساتھ تعارفی نشست

تنظیم میں شمولیت کے بعد رفقاء سے اولین مطالبہ ہفت روزہ تربیتی کورس میں شرکت ہے، لیکن بعض اوقات نئے شامل ہونے والے رفقاء فوری طور پر تربیتی کورس میں شرکت نہیں کرپاتے۔ان کو تنظیم سے روشناس کرانے کے لیے ایک تعارفی پروگرام ترتیب دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے زیر اہتمام 3 دسمبر 2011ء کو قرآن اکیڈمی، حلیم ٹاور، نشتر آباد، جی ٹی روڈ پشاور میں عصر تو عشاء ایک تعارفی نشست کا اہتمام کیا گیا۔نماز عصر کے بعد پروگرام کا آغاز ہوا۔سب سے پہلے برادرم انجینئر طارق خورشید (امیر تنظیم اسلامی پشاور شمالی) نے تنظیم اسلامی، بانی محترم اور امیر محترم کا تفصیلی تعارف کروایا اور شرکاء پر زور دیا کہ ہمیں بھی اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے لیے زیادہ سے زیادہ جان و مال اور اوقات لگانے چاہئیں۔

نماز مغرب اور چائے کے وقفے کے بعد راقم الحروف نے سہ منزلہ عمارت کے ذریعے دینی فرائض کو بیان کیا کہ دین پر خود عمل کیا جائے، دین کی دعوت دوسروں تک پہنچائی جائے، دین کے غلبہ واقامت کے لیے جدوجہد کی جائے اور واضح کیا کہ درحقیقت یہ فرائض قرآن و سنت کی رو سے ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں اور انہی فرائض کی بجاآوری کے لیے تنظیم اسلامی نے ہمیں پلیٹ فارم مہیا کیا ہے، تاکہ ہم انہیں ادا کرسکیں۔علاوہ ازیں جماعت کے التزام کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ فریضۂ اقامت دین جماعت کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا، اس کے لیے منظم جماعت ضروری ہے۔مختلف ہیئت تنظیمی اور بیعت کے فرق کو واضح کیا کہ منصوص، مسنون اور ماثور طریقہ بیعت کا ہے، اگرچہ دوسرے طریقے بھی مباح ہیں۔اس کے بعد بورڈ پر تنظیم اسلامی کا ڈھانچہ بیان کرتے ہوئے قیادت کا مکمل تعارف، حلقہ جات، عاملہ اور شوریٰ کا تعارف پیش کیا اور واضح کیا کہ امیر کی اطاعت میں ہی تنظیم کی قوت کا راز مضمر ہے۔

بعدازاں ناظم دعوت وتربیت حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی انجینئر یوسف علی نے رفقاء تنظیم کے مطلوبہ اوصاف کے موضوع پر گفتگو کی اور نظام العمل سے 10 اوصاف کی تشریح کی۔ انہوں نے احتسابی یادداشت کے بارے میں رہنمائی کی کہ یہ ہر رفیق کے ذاتی استعمال اور ذاتی اصلاح کے لیے ہے تاکہ ہم خود اپنا احتساب کرسکیں۔علاوہ ازیں رفقاء کا آپس میں لین دین اور دیگر مالی معاملات کے ضمن میں سرکلر پڑھ کر سنایا اور وضاحت کی کہ یہ قرآنی ہدایت ہے جس کو تنظیم میں لاگو کیا گیا ہے۔اگرچہ مالی معاملات میں تنظیم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور فریقین ہی ذمہ دار ہوں گے۔نماز عشاء کے ساتھ یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(مرتب: خورشید انجم)

attacks have continued for years and intensified multifold, having killed thousands of innocent citizens in the name of terrorism. This has created an ocean of problems both for civil and military leadership who have very faithfully carried out the American mission in the unjust and bloody war.

The U.S. and its henchman Karzai fully understand that Indians filling the vacuum after America's pullout can never be acceptable to Pakistan as the latter will not tolerate Indian presence on its Western borders creating problems like it does on the Eastern one. In case India finds a foothold in Afghanistan, she will never hesitate to show up with every day hostilities against Pakistan.

What America wants from conferences like the Istanbul and the recently-held Bonn conference cannot be achieved simply because she is not interested in leaving the region in peace.

The recent tragic bombing of the Pakistan outpost and martyrdom of two dozen army jawans is an act of extreme hostility which cannot be accepted at any cost. The masses are quite justified in pressing the incumbent rulers why their near and dears are killed by the Americans who have forced us to fight their cruel war against a nation who had established an Islamic setup of their own on their own soil. They were friendly to us and we had recognized their government. Americans have ruined us from all sides. The American media particularly its Pashto-language Deewa Radio and program 'In the News' have specially been designed to promote hatred against our armed forces, particularly the ISI and inflaming ethnicity, provincialism, linguistic issues and sectarian matters since a rough surface for these menaces already exists in the country. America has afflicted severe blows on us by spreading her secret agents in our national institutions in the shape of aid workers, NGOs, volunteers and even the saboteurs and killers. Not only this but an open one-sided assault on our soil on May 2, then a well-planned attack on our Mehran Naval Base in Karachi and now this heinous crime of attack on our forces are the events that prove America's enmity for Pakistan. This should be a blood for blood stance for us since their hands are tainted with the blood of our innocent brothers.

America's target is Pakistan in general and our armed forces and the ISI in particular. America wants to create and widen the gulf between our general public and our patriotic armed forces by exerting pressure and using a number of tactics to force Pakistan to surrender before her "do more" mantra. The repercussions of our alliance to the U.S. are now so visibly consequential for us that its fatality cannot be overlooked any more. Its 'do more' rhetoric has no end. It has been forcing us to fight against the Haqqani network. Lady Clinton carries a new plan against the Islamic world every morning when she wakes up from her bed. We had seen her visiting Tripoli, two days before Gaddafi's killing. She had lined up her henchmen in the Libyan revolt and was ensuring her share in the booty after the game was over. And she did it successfully.

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ تعالیٰ

"مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور" میں

25 دسمبر 2011ء (بروز اتوار صبح 10 بجے)

توسیعی مشاورت

کا انعقاد ہو رہا ہے

☆ اظہار خیال کے لیے رفقاء ناظم اعلیٰ کو مطلع فرما کر 11 بجے سے قبل اپنی موجودگی کا اہتمام فرمائیں۔

☆ اجلاس میں شرکت سے قبل رفقاء کی رہنمائی کے لئے تنظیم اسلامی کے نظام العمل کی شق نمبر 9.3.4 کا مطالعہ مناسب ہوگا۔

المعلن: ناظم اعلیٰ (042) 36316638 36366638

Mohammad Fahim

NATO and American Savagery

(Part I)

This aimless war seems to have frustrated everyone including its diabolical champion, the U.S. and her allies under the banner of NATO as occupation forces in Afghanistan. The bloody war was started with the ruses of chasing Osama, incriminated of the 9/11 tragic episode. It is kept continued unabated with no relevance as the aggressors cannot justify it when Osama has already been eliminated. It is only the question of America's myth of being a super power and its hegemony to control the world by brutal force. It has now gone to the extent of directly attacking its own ally and committed the crime of killing 24 of our jawans including officers and seriously injuring a greater number. This is the NATO/American savagery.

The bloodshed has not only been the fate of Afghans but Pakistan is equally targeted quite intentionally, the latest being this bloody aerial attack on our outposts in Salala of Mohmand Agency. We have lost thousands of our civilian and military people in this war which was never ours. The wrong policies of the previous and the present rulers and their utmost subservience to the unjust super power have turned us to a placid and gullible nation and we are now forced to call it 'our own war'. Timid! It is never ours. The war has now grievously affected the aggressor and is evidently showing its mark on its economy and national psyche. Its sufferings in men and matter are now increasing at the hands of the empty handed Taliban. To save her face, America is now making different allegations against Pakistan and creating problems for her faithful ally. On one hand the hegemonic attitude of the U.S. is showing itself up in the shape of its brutal and indiscriminate assault with the most fatal weaponry and on the other it is seeking covertly, running to and fro, to find a way for exit from this quagmire. Some time-tables are spread in Turkey in the name of Istanbul Conference and at others trying to find ways for secret negotiations with the resistant groups of the Taliban. The Bonn Conference is seemingly a show of deceiving the world that the U.S. is doing all this in pursuance of finding a solution to the problem. Nobody is telling the aggressor point blank that the malignant situation is the result of its own aggression which has no justification whatsoever. We have drum beats of having peace dialogue on one side and then abruptly winding it on the pretext of the killing of Rabbani, with baseless accusations of the plot having been engineered on Pakistani soil. How much of the CIA and India's RAW are involved in this conspiracy of killing the head of the peace talks, is nobody's guess.

Consequent upon the tragic killing of Professor Rabbani, Karzai rushed to India to seek a strategic agreement with that country. The agreement was done with a view to clearing the way for India to station its 3000 military trainers to train the Afghan troops simultaneously indoctrinating them with enmity against Pakistan. All this despite the fact that millions of Indian citizens are living below the poverty line while the government in Delhi will be spending 200 billion on this project. America is fully backing and endorsing this scheme simply to give chance of a big say to its Indian favorite obviously against the interests of Pakistan. Our friend the U.S., to whom we are a faithful ally in her war of aggression, is leaving no stone unturned in finding opportunities to damage the interest of Pakistan and weakening her by creating problems for her stealthily and most often openly. The drone